مطالعہ کی میز پر

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

● مولانا شمس تبریز خاں

نام کتاب: اردو تنقید کا سفر (جامعہ ملیہ کے تناظر میں)
از: ڈاکٹر تابش مہدی، صفحات: ۳۲۰،
سائز: ۲۲×۱۸/۸، قیمت: دو سو روپئے۔
ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کا دوسرا بڑا عصری ادارہ ہے، جس کی ابتداء اور نشوونما حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا محمد علی حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور ڈاکٹر ذاکر حسین جیسی ممتاز ہستیوں کے ہاتھوں سے ہوئی اور جس نے مسلمانوں کی عصری تعلیم کی راہ میں ایثار و قربانی اور محنت و جانفشانی کی جو روایت قائم کی تھی اس کی مثال آسانی سے نہیں مل سکتی

اسی کے ساتھ جامعہ ملیہ کو یہ بھی امتیاز حاصل رہا ہے کہ اس کے اساتذہ میں ایسے فضلاء رہے ہیں جو اردو اور انگریزی کے بھی ممتاز ادیب اور اہل قلم شمار ہوتے ہیں جسے اردو ادب و تنقید کی دنیا میں جن کے کارنامے ناقابل فراموش ہیں جیسے پرانے لوگوں میں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں سعید انصاری، سید وقار عظیم، ڈاکٹر عابد حسین، پروفیسر محمد مجیب اور ضیاء الحسن فاروقی، اور موجودہ لوگوں میں ڈاکٹر مسعود حسین خاں، عبداللطیف اعظمی، تنویر احمد علوی، گوپی چند نارنگ، انور صدیقی عنوان چشتی، شمیم حنفی اور قاضی عبیدالرحمن ہاشمی وغیرہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ نے علم و ادب کا جو دبستان قائم کیا ہے اس کے تنقیدی جائزے کی ضرورت کے تحت ڈاکٹر تابش مہدی نے کم از کم اردو تنقید سے متعلق جامعہ کی خدمات کا اچھا تذکرہ و تبصرہ مرتب کر دیا ہے جو ان کی اچھی تنقیدی بصیرت و اہلیت کا آئینہ دار ہے اس کے ساتھ انھوں نے اردو تنقید کے مختلف دبستانوں اور ممتاز نقادوں کا بھی مختصر مگر کارآمد تنقیدی تذکرہ بھی کر دیا ہے جو اردو کے طلبہ کے لئے بہت مفید ہوگا۔ ڈاکٹر تابش کا شگفتہ اسلوب تنقیدی بیان کے بہت مناسب ہے۔

پروفیسر مشیر الحق کا تذکرہ بہت تشنہ نظر آیا۔ شاید مرتب کو ان کی ادبی و تنقیدی تحریریں دستیاب نہیں ہو سکیں۔ اس طرح جامعہ کے نقادوں میں پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی مرحوم کا ذکر نہ آنا بھی سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ امید کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تلافی کر دی جائے گی۔

نام کتاب: موم (شعری مجموعہ)
نام شاعر: والی آسی، صفحات: ۱۶۸
قیمت: ۷۵ روپئے
ملنے کا پتہ: مکتبہ دین و ادب، امین الدولہ پارک امین آباد۔ لکھنؤ

مشرقی اقدار، اخلاقی تقاضوں، شریفانہ اصولوں گنگا جمنی اور ہند اسلامی تہذیب کے زوال کا غم، رواداری و وضع داری، شرافت و انسانیت کے انحطاط، غم دوراں و غم جاناں کے تہہ نشین جذبات انسانی رشتوں کی شکست و ریخت، خوب کی جگہ ناخوب کا رواج، پرانے تہذیبی ملبے پر نو دولتیوں کے خود غرضانہ مفادات کا رواج، زندگی کی پیچیدگیوں اور دشواریوں، اور زوال و فنا کے انسانی مقدر ہونے کا احساس، پھر دائمی زندگی پر یقین اور حقیقت کبریٰ سے اپنے کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش یا رضا بالقضا اور مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ کے پاکیزہ جذبات والی آسی کے پختہ فنی شعور، بالغ نظری اور ژرف بینی کے غماز ہیں۔ حیات و کائنات کے حقائق کے ادراک نے والی کے یہاں قلندرانہ مزاجی، اور آزادہ روی پیدا کی ہے۔ ان کی شاعری اس منزل کی طرف رواں ہے جو اچھی غزل گوئی کو عرفان و تصوف میں تبدیل کر دیتی ہے۔

والی، زندگی کے درد و کرب، غم و الم اور تنہائی و بے کسی، خوبیوں کی ناقدری اور دنیاداری اور ظاہر داری، نمود و نمائش، خوشامد ریاکاری کی پذیرائی، دولت و اقتدار کی ہوس جیسی غیر اخلاقی قدروں کے تماشائی نہیں رہے بلکہ انھیں جھیلا ہے پھر بھی وہ منفی جذبات کے شکار نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے اپنے عرفان و ایقان اور ایمانی فراست سے قنوطیت کے بجائے رجائیت کا راستہ ڈھونڈ نکالا ہے، ناموافق حالات پر کڑھنے اور گھلنے کے بجائے ان سے نمٹنے یا ان پر ایک نگاہ غلط انداز ڈال کر آگے بڑھ جانے کی روش اپنائی ہے۔

بے نیازی و قلندری کے باوجود حق و باطل اور خوب و ناخوب کے معرکے میں وہ غیر جانبدار نہیں بلکہ حتی الامکان اور فنی تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ غیر اخلاقی قدروں کو اپنے طنز و تمسخر کا نشانہ ضرور بناتے ہیں حق و اہل حق کی حق تلفی ان کو سخت ناگوار ہے جس کی کسک اور کھٹک ان کی غزلوں کے گلدستے میں کانٹے کی طرح موجود ہے (باقی ص ۲۲ پر)

حرام کھانے سے جیل جانا بہتر ہے

● عمر بن عبدالعزیز ندوی

چالیس ہزار کا زیتون کا تیل تھا مالک نے کہا۔ پھینکدو! بات کچھ سمجھ میں نہ آتی تھی۔ لیکن جس کا مال تھا اسے ذرا بھی فکر نہ تھی اور اس کا حکم یہی تھا کہ۔ زیتون کا یہ تیل پھینکدو خبردار! ایک قطرہ بھی اس میں سے کسی کے ہاتھ نہ بیچا جائے۔

یہ بات کہنے والے تھے۔ محمد بن سیرینؒ! جو مدتوں حضرت انس بن مالکؓ کے ساتھ رہے بلکہ انھوں نے آنکھیں بھی انھیں کے گھر میں کھولیں، وہیں پلے بڑھے۔ اصل میں ان کے والد سیرین لڑائی میں پکڑے گئے تھے اور انس بن مالکؓ کے حصہ میں آئے تھے ان کی تربیت کا کیا کہنا۔ علم و عمل دونوں میں ان سے حصہ پایا۔ بیٹے محمد نے اور بھی زیادہ فیض پایا۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ تفسیر، حدیث و فقہ میں محمد بن سیرین کا بڑا مقام تھا۔ خواب کی تعبیر بتانے میں تو وہ اپنے عہد کے ممتاز آدمی تھے، حضرت حذیفہ بن یمانؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوھریرہؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت حسنؓ اور بہت سے صحابہ کرام سے انھوں نے علم حاصل کیا۔ حال یہ تھا کہ ان کے دور کے ایک بڑے عالم ابن عوف کہتے ہیں کہ۔ ساری دنیا میں تین آدمیوں کا جواب نہیں۔ عراق میں محمد بن سیرین کا، حجاز میں قاسم بن محمد کا۔ اور شام میں رجا بن حیات کا!

ان میں بھی محمد بن سیرین میری نظر میں ممتاز ہیں۔

علم ہو اور عمل نہ ہو تو آدمی کس کام کا۔ اسلام کی تعلیمات کا اصل مقصد یہی ہے کہ آدمی جو علم حاصل کرے اس پر عمل کر کے بھی دکھائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے کہ آپؐ نمونۂ کامل بنا کر پیدا کئے گئے۔ ایک ایک بات جس کی آپؐ نے تعلیم دی۔ اس پر آپؐ نے عمل کر کے بھی دکھایا۔ صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد کے بزرگ یعنی تابعین اور ان کے بعد تبع تابعین نے اپنی زندگی کا معیار یہی رکھا ان کی گھر کی اور باہر کی زندگی ایک تھی جو بولتے اس پر عمل کر کے دکھاتے۔

حضرت جندب بن عبداللہؓ کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد گرامی ہے کہ بے عمل عالم کی مثال ایسی ہے جیسے چراغ دوسروں کو تو روشنی بہم پہونچاتا ہے لیکن اپنے آپ کو جلاتا ہی رہتا ہے۔ ہم مسلمانوں کے زوال کی سب سے بڑی اگر کوئی وجہ ہے تو یہی ہے کہ ہم نے علم و عمل کو الگ الگ کر دیا۔ اور ہمارا ظاہر و باطن ایک نہ رہا، کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جو بھائی چارگی ہمدردی، اخوت و محبت کا پیغام لوگوں کو سناتے تھے۔ وہی اب ایک دوسرے کے دشمن بن گئے لوٹ، کھسوٹ، دھوکا، بے مروتی، خود غرضی ہمارا شعار ہو گیا ہے۔ صبح سے شام تک بس ایک ہی دھن ہے جو ہم پر سوار ہے، پیسہ پیسہ پیسہ! بس پیسہ کسی طرح مل جائے کہیں سے مل جائے، رشوت سے، چور بازاری سے، فریب سے ملاوٹ سے بس کسی طرح مال و دولت ہاتھ لگ جائے۔

محمد بن سیرینؒ تاجر تھے۔ تاجر ایماندار ہو شریف ہو تو اس کا درجہ بہت بڑا ہوتا ہے اگر وہ ایماندار نہ ہو تو پھر شیطان بن جاتا ہے بے رحم اور ظالم ہو جاتا ہے پھر اسے اس بات کا خیال نہیں رہتا کہ دواؤں میں ملاوٹ سے کوئی مر جائے گا یا کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ کرنے سے کوئی بیمار ہو جائے گا۔ بلکہ وہ ان بداعمالیوں سے خوش ہوتا ہے اور دھوکہ دیکر سمجھتا ہے کہ یہ کاروبار کی چالاکیاں ہیں۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ وہ دغا بازی کر رہا ہے حرام کھا رہا ہے۔

محمد بن سیرین نے ایک مرتبہ زیتون کا تیل خریدا اس میں سے مرا ہوا چوہا نکلا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ کولہو میں گر کر چپک گیا تھا۔ دیکھنے والا پوچھنے والا کوئی نہ تھا۔ چوہا نکال کر پھینکتے اور مزے سے تیل فروخت کرتے لیکن نہیں انھوں نے تیل پھینکوا دیا، جس سے خریدا تھا اس نے قیمت طلب کی۔ چالیس ہزار درہم! اتنا سرمایہ نہ تھا کہ یہ نقصان پورا ہو جاتا۔ آخر کار قید کی سزا بھگتنی پڑی۔ خوشی سے اس مصیبت کو جھیل لیا لیکن دھوکے سے مال بیچنا منظور نہ ہوا کہ حرام کھانے سے تو جیل جانا بہتر ہے۔

حرام کمائی کا وبال

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس بدن نے حرام مال سے پرورش پائی ہوگی وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔
(مشکوٰۃ)

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں

دنیا میں جو عذاب نازل ہوتے رہتے ہیں ان کا فلسفہ یہی ہے کہ فطرت سلیم ایسے موقعوں پر راہ ہدایت پا جاتی ہے، لیکن ایسی مخلوق کی بھی کمی نہیں جو الٹا اثر لیتی ہے اس کی شقاوت وقساوت کے لئے یہ تمام تازیانے بے اثر رہتے ہیں۔ ہر تازہ نشانِ غیبی، ہر جدید آیت الٰہی، ہر تنبیہ فطرت غفلت وجمود، الحاد واعراض میں اضافہ ہی کرتی رہتی ہے۔ جو تریاق ہونا چاہئے تھا وہ اس کے حق میں زہر کا کام دینے لگتا ہے۔ ہجومِ مصائب میں بھی اسے تکیہ مادی اسباب پر، اور بھروسہ دنیاوی وسائل پر رہتا ہے، پیٹ کا سوال ہر عالیشان دفتر کا طواف کرتا رہتا ہے، دفتری کارکن کا سر دفتر کے آگے دراز ہوتا رہتا ہے۔ ہر امیر، ہر وزیر، ہر بڑا افسر امیدوں کا مرکز، حاجتوں کا قبلہ بنا رہتا ہے (اللہ کے بھیجے ہوئے تنبیہی مصائب وآفات کی تاویل کر کے) اللہ سے بے تعلقی، مصیبتوں کے ہجوم کے وقت بھی بجائے گھٹنے کے کچھ اور بڑھ ہی جاتی ہے۔

نظام کائنات میں اذیت وتکلیف کا وجود رکھا ہی اس غرض سے گیا ہے کہ اس سے نفس میں شکستگی وتضرع پیدا ہو۔ دھن بجائے "اسباب" کے مسبب الاسباب کی پیدا ہو۔ مخلوق اپنے ہم جنسوں سے بے آس ہو کر خلوص وخضوع کے ساتھ اپنے خالق کی جانب رجوع کرلے۔

شاعر یہی منظر دیکھ کر صدا لگاتا ہے ؎

مذہب نے پکارا اے اکبر اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
یاروں نے کہا یہ قول غلط تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں

مولانا عبد الماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ
(از: انشائے ماجدی ص۱۰۰)

۲۵ ستمبر ۱۹۹۹ء | سالانہ ۱۳۰ روپے | فی شمارہ ۶ روپے

Regd No. LW/NP56
Fax No.: (0522)330020

FORTNIGHTLY

Principal off : 372336
Guest House : 323864

TAMEER-E-HAYAT

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India)

Rs 6

سرزمین راجستھان سے اردو اور انگریزی میں شائع ہونے والے
دو عظیم الشان ماہنامے
جامعۃ الھدایہ جے پور کے ترجمان
دعوت واصلاح کے علمبردار، تعلیم وتربیت کے نقیب اور ارشاد وتزکیۂ نفس کے داعی
ماہنامہ ہدایت اور AL-HIDAYAH Monthly
جن کا نصب العین ہے:
○ شاندار ماضی سے واقفیت
○ حال سے آگہی وملت کو درپیش چیلنجوں کی نشاندہی
○ روشن مستقبل کے تعمیر کی فکر
آیئے! اس مشن کو آگے بڑھانے میں اپنا گرانقدر تعاون دیجئے
شرح خریداری
ماہنامہ ہدایت
اندرون ملک سالانہ: ۱۲۰ روپے
فی شمارہ: ۱۰ روپے
لائف ممبر شپ: ۵۰۰۰ روپے
AL-HIDAYAH Monthly
اندرون ملک سالانہ: ۱۲۰ روپے
فی شمارہ: ۱۰ روپے
لائف ممبر شپ: ۵۰۰۰ روپے
چیک یا ڈرافٹ پر صرف MOVEMENT COMMUNICATIONS PVT. LTD. لکھیں
خط وکتابت کا پتہ
1617, Khejre ka Rasta, Near Indira Bazar, Opp. Hidayat Masjid, Post Box 35, Jaipur-302001 Phone No. (Office) 312386, 319935, Fax 0091-141-311247, E-mail:Jamea@datainfosys.net

آپ کی خدمت میں جدید ودلکش
سونے چاندی کے زیورات کیلئے
ہمارا نیا شوروم
گہنہ پیلس
حاجی عبد الرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں محمد معروف خاں
ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ چوک لکھنؤ
فون نمبر ۲۶۰۴۳۳ - ۲۴۲۹۴۶

ہر دینا
گردہ کی پتھری کے لئے
آپریشن کی ضرورت نہیں
• گردہ، مثانہ کی پتھری، درد
• پیشاب میں ریت، خون اور
• جلن کے لئے
یکساں مفید ہے۔
HASANI PHARMACY
117/41 Gwynne, Road, Lucknow - 226018 Ph: 202677

کیپ کے اوپر AFZALS اور MAU CITY دیکھ کر خریدیئے
مئو کا بنا
نورانی تیل
درد، زخم، چوٹ کٹنے جلنے کی مشہور دوا
انڈین کیمیکل کمپنی، مئوناتھ بھنجن (یوپی)

چشمہ ساگر
جاپانی کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ ہوتی ہے۔
AUTO REFRCCTO METER AR.8 60
فوٹوکرامک، کوٹیڈ لینس، ہائی انڈیکس ریزی لینس، فینسی
بادرو دھوپ کے چشموں کا خاص مقام۔
— ایک بار خدمت کا موقع دیں —
آپٹیشین۔ اے۔ رحمٰن (علیگ)
شنکر جی کی مورتی کے نزدیک، معتبر گنج۔ اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ — لکھنؤ

تعمیر حیات

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۶ — شمارہ نمبر ۲۲

۲۵ ستمبر ۱۹۹۹ء — مطابق — ۱۴ جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ

زیر نگرانی

- مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
- مولانا عبد اللہ عباس ندوی
- پروفیسر وصی احمد صدیقی

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

مجلس ادارت

مولانا نذر الحفیظ ندوی — مولانا محمد خالد ندوی

مولانا عبد اللہ حسنی ندوی — ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۳۰/- روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں

زر تعاون

سالانہ ——— ۱۳۰/- روپے

فی شمارہ ——— ۶/- روپے

بیرونی ممالک فضائی ڈاک ——— ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک ۳۰ ڈالر

بیرونی ممالک بحری ڈاک ——— بحری ڈاک جملہ ۱۵ ڈالر

خط و کتابت کا پتہ

منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس نمبر ۹۳

ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۲۲۶۰۰۷ یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے پاریکھ آفسٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

گذارش

خط و کتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام و پتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے (منیجر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی زمین اور مٹی پر لکیریں بنا کر تعلیم دینے کا طریقہ اپناتے تھے

شیخ عبد الفتاح ابو غدہؒ — ترجمہ: شمس الحق ندوی

کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض معانی کو اچھی طرح سمجھانے کے لئے زمین اور مٹی پر لکیریں اور خاکہ بنا کر اس سے مدد لیتے تھے، اسی کی ایک مثال امام احمدؒ کی وہ روایت ہے جو انھوں نے اپنی مسند میں حضرت جابر بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور ابو عبد اللہ مروزی نے کتاب "السنۃ" میں حضرت جابرؓ اور ابن عباسؓ سے روایت کی ہے۔

حضرت جابرؓ نے فرمایا "ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اپنے سامنے بدست خود اس طرح ۔ ا۔ ایک لکیر بنائی اور فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے، پھر آپ نے دو لکیریں اپنے دائیں جانب بنائیں اور دو لکیریں بائیں جانب = ٥ = اور پھر فرمایا یہ شیطان کے راستے ہیں، اس کے بعد آپؐ نے = ا = بیچ والی لکیر پر اپنا ہاتھ رکھ کر یہ آیت کریمہ پڑھی "وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ، وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" (سورہ انعام ۱۵۳)۔

(اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور اور راستوں پر نہ چلنا کہ (ان پر چل کر) خدا کے رستے سے الگ ہو جاؤ گے۔ ان باتوں کا خدا تمہیں حکم دیتا ہے۔ تاکہ تم پرہیزگار بنو۔)

امام بخاریؒ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چوکور □ لکیر بنائی اور اس کے بیچ میں ⊞ ایک لکیر بنائی جو دائرہ سے باہر نکلی ہوئی تھی اس کے بعد جو لکیر بیچ میں تھی اس کے اندر کی طرف ⊞ چھوٹی چھوٹی لکیریں بنائیں اور فرمایا یہ لکیر جو بیچ میں ہے یہ انسان ہے اور اس کی چاروں طرف کا دائرہ اس کی موت ہے جو اس کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے اور بیچ والی لکیر کا جو حصہ باہر نکلا ہوا ہے وہ انسان کی امید ہے، اور اندر کی یہ چھوٹی چھوٹی لکیریں جو بیچ والی لکیر کی طرف نکلی ہوئی ہیں۔ یہ آفتیں، بلائیں اور بیماریاں ہیں کہ اگر وہ ایک سے بچ گیا تو دوسری مصیبت آجائے گی اور اگر ان سب سے بچ گیا تو بڑھاپا آجائے گا" (بڑھاپا والا لفظ بخاری کے مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے۔ یہ لفظ ہیثمی کی کتاب "الفتح المبین" میں بخاری کے حوالے سے منقول ہے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے سامنے جو خاکہ بنایا تھا اس سے اس بات کی وضاحت فرمائی کہ انسان کی بڑی بڑی بہت سی تمناؤں کے درمیان کس طرح رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں اور وہ اپنی تمنا پوری نہیں کر پاتا، کبھی اچانک موت آجاتی ہے، یا معذور بنا دینے والی بیماریاں اور پریشانیاں آجاتی ہیں، کبھی موت تک پہونچا دینے والا سخت بڑھاپا آجاتا ہے، اس تمثیل کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تمنائیں کم کرنے اور اچانک آجانے والی موت کے لئے تیاری پر آمادہ کیا اور اس کی فکر کی تعلیم دی، اس دل لگتی تعلیم کا ذریعہ زمین اور مٹی تھی جیسا کہ نقشہ میں نظر آیا۔

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر چار لکیریں بنائیں، اور لوگوں سے پوچھا تم جانتے ہو کہ یہ لکیریں میں نے کیوں بنائی ہیں؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، اللہ اور اللہ کے رسول زیادہ جانتے ہیں صحابہ کے اس جواب کے بعد آپ نے فرمایا: جنت کی سب سے افضل خواتین خدیجہؓ بنت خویلد، فاطمہؓ بنت محمدؐ، مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم ہیں۔

دوستو زندگی کا پیام آگیا

● مولانا محمد احمد پرتاپگڈھیؒ

جب زباں پر محمدؐ کا نام آگیا
دوستو! زندگی کا پیام آگیا
آگیا انبیاء کا امام آگیا
لے کے فیضان دار السلام آگیا
لائے تشریف جب سید المرسلیں
خلد دنیا بنی وہ نظام آگیا
ظلم رخصت ہوا عدل قائم ہوا
عشق کے ہاتھ میں وہ نظام آگیا
ترے ابر کرم سے شہہ انبیاء
ہو کے سیراب ہر تشنہ کام آگیا
فیض ساقیٔ کونین صلِّ علیٰ
جو بھی چاہے پیئے اذنِ عام آگیا
قلب شاداں ہوا روح رقصاں ہوئی
لب پہ احمدؐ کا شیریں کلام آگیا

اِس شُمارے میں

۱	درس حدیث	شیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ	۲
۲	اخلاص، مجاہدہ اور عزم (اداریہ)	شمس الحق ندوی	۵
۳	عورت مغربی فضلاء کی نظر میں	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	۷
۴	یادِ یارِ مہرباں	مولانا عبداللہ عباس ندوی	۱۱
۵	ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۱۷
۶	مولانا قاضی معین اللہ صاحبؒ	پروفیسر وصی احمد صدیقی	۱۹
۷	میر مقصود علی خاں کی رحلت	مولانا عبداللہ عباس ندوی	۲۲
۸	مولانا عبدالرشید نعمانی کی رحلت	بلال عبدالحی حسنی ندوی	۲۳
۹	سوال و جواب	محمد طارق ندوی	۲۷
۱۰	اسلام میں عورت کا درجہ۔ ایک مطالعہ۔	محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی	۲۸
۱۱	عالمی خبریں	سعید اشرف ندوی	۲۹
۱۲	مطالعہ کی میز پر	مولانا شمس تبریز خاں	۳۰
۱۳	حرام کھانے سے جیل جانا بہتر ہے	عمر بن عبدالعزیز ندوی	۳۱

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی =/Rs. 15 کے حساب سے زر ضمانت روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر اندرونی صفحہ =/Rs. 30
۲۔ تعمیر حیات کا فی کالم فی سینٹی میٹر پشت پر رنگین صفحہ =/Rs. 40
۳۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۴۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ	Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb. P.O. Box No. 842, Madina Munawwara (K.S.A.)
برطانیہ	Mr. M. AKRAM NADWI O.C.I.S., St. Cross College, Oxford Ox1 3TU-U.K.
ساؤتھ افریقہ	Mr. M. YAHYA SALLO NADWI Sb. P.O. Box 388, Vereninging,(S. Africa)
قطر	Mr. ABDUL HAI NADWI Sb. P.O. Box No. 10894, DOHA-QATAR
دبئی	Mr. QARI ABDUL HAMEED NADWI Sb. P.O. Box No. 12525, DUBAI (U.A.E.) P.H. No: — 3970927
پاکستان	Mr. ATAULLAH Sb. Sector A-50, Near sau Quater H. No. 109, Town Ship Kaurangi, KARACHI-31 (Pakistan)
امریکہ	Dr. A. M. SIDDQUI Sb. 98-Conklin Ave, Woodmere NEW YORK 11598 (U.S.A.)

اداریہ

شمس الحق ندوی

اخلاص، مجاہدہ اور عزم

کہا یہ جاتا ہے کہ موجودہ حالات ناگفتہ بہ حد تک خراب ہیں اور مردان کار نایاب۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ: "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم" یعنی بہترین لوگ وہ ہیں جو ہمارے زمانہ میں ہیں ان کے بعد وہ ہوں گے جو ان کے بعد آئیں گے۔ پھر وہ ہوں گے جو ان کے بعد آئیں گے، جس کا حاصل یہ ہے نبی آخر الزماں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جن کے ذریعہ پوری بنی نوع انسانی کے لئے ایک مکمل نظام زندگی اور دستور حیات مل چکا اور وہ تقریباً ۳۶ سال تک عملی شکل میں جگمگاتا رہا کہ آنے والی نسلوں کے لئے حجت تمام ہو جائے۔ اور روشنی کا مینار حق کے متلاشیوں کے لئے قائم رہے، عملی زوال شروع ہوگا۔ اور ہوا۔

لیکن اسی کے ساتھ ہر عہد و زمانہ میں دنیا کے اسٹیج پر اللہ تعالیٰ ایسی شخصیتیں پیدا فرماتا رہا جو تعلیمات نبوت کی قندیل فروزاں کی لو مدھم نہ ہونے دیں۔ وہ — اپنے اخلاص و مجاہدہ و غیر متزلزل عزم و حوصلہ سے اس کی پاسبانی کرتے رہیں اور انسانیت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہیں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ خلفائے راشدین کے چھتیس سالہ دور کے بعد بھی جبکہ اسلام کا ستارہ پوری آب و تاب کے ساتھ دمکتا رہا۔ ایسی مخلص مجاہد اور عزم و حوصلہ سے مالا مال شخصیتیں وجود میں آتی رہیں جو امت کی رہنمائی اور اسلامی اطوار و عادات، اخلاص و اخلاق اور انسانیت سے پیار و محبت کا درس دیتی رہیں۔ نرمی کے موقع پر نرمی سے اور گرمی کے موقع پر گرمی سے کام لیا، انھوں نے فکر ارجمند اور دل دردمند کے ساتھ پورے خلوص کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا۔ اور اسلام کی شمع فروزاں کی لو مدھم ہونے سے بچاتے رہے اور اس کو بجھانے کے لئے جو جھکڑ چلتے رہے وہ ان کا مقابلہ کرتے رہے۔ بقول شاعر ؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیا ہے انداز خسروانہ

ادھر چند مہینوں میں شیخ عبداللہ بن باز، شیخ علی طنطاوی، شیخ مصطفےٰ الزرقاء، شیخ مناع القطان، شیخ عمر فلاتہ، شیخ محمد المجذوب مولانا عبدالرشید نعمانی، ندوۃ العلماء کے نائب ناظم مولانا معین اللہ صاحب ندوی، مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی تحریک کے عہد اول کے مخلص و سرگرم کارکن مولانا سعید احمد خاں صاحب جیسے حضرات کا حادثۂ وفات پیش آیا جو امت مسلمہ کے لئے بڑا خسارہ ہے۔

لیکن ان جانے والوں کے جو حالات و مجاہدات، قربانیاں اور ان کے کارنامے بیان کئے جا رہے ہیں وہ خود ہمارے لئے منارۂ نور ہیں ہم لکھ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ جو جاتا ہے اس کی جگہ لینے والا کوئی نہیں ہوتا۔ حالانکہ ان کے چھوڑے ہوئے نقوش ہم کو یہ آواز دے رہے ہیں، بلکہ ان کی روحیں بزبان حال کہہ رہی ہیں کہ ہم نے جو کچھ کیا وہ ہماری اپنی قوت و طاقت کے سہارے سے نہیں تھا۔ بلکہ خدا کی دین و عطاء اور اس کی توفیق سے کیا۔ ہم چلے آئے لیکن خدا کی دین و عطا کا دروازہ نہیں بند ہوا۔ لہٰذا مایوس و کم ہمتی کا شکار ہونے کے بجائے تم خود اپنی ہمتیں بلند کرو۔ اپنے اندر خلوص نیت، عزم و حوصلہ پیدا کرو، توفیق دینے والے سے تم توفیق مانگو اور قدم بڑھاؤ، وہ تمہارے اندر بھی وہ جوہر پیدا فرما دے گا جس کے کھو جانے پر تم یأس و حسرت کا شکار ہوتے رہے ہو، امت میں صلاحیت اب بھی موجود ہے، لیکن ضرورت ان مردان کار کی ہے جو اس کی صلاحیتوں کو ٹھکانے لگانے کے لئے خلوص و ایثار اور جذبۂ قربانی کے ساتھ میدان میں آئیں اور آہ سحر گاہی کی سوغات لیکر مثل مئے جام پھریں تو جس طرح سے چودہ سو سال سے اسلام کی نمائندگی، بلکہ اس کے ذریعہ انسانیت کی چارہ سازی کا کام ہوتا رہا ہے۔ اب بھی ہوتا رہے گا۔ مگر شرط اول

آں باشد کہ تو مجنوں باشی ۔ یعنی اپنی تمام توانائیوں کو داؤں پر لگا دیا جائے تو امت میں بیداری پیدا ہوگی۔

اقبال کی زبان میں ؎

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

امت اب بھی صلاحیتوں سے بھرپور اور مالا مال ہے لیکن اس کی صلاحیتوں پر گردش ایام نے گرد و غبار ڈال دیئے ہیں۔ جب ہم پورے خلوص کے ساتھ اپنی ہوا پرستی، نفس پرستی، اور حب جاہ و مال سے بے نیاز ہو کر امت کو بیدار کرنے کا کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے تن مردہ میں بھی جان ڈال دے گا اور ہم ان شخصیتوں جیسے کارنامے انجام دے سکیں گے جن کی جدائی ہم کو مایوس کرتی ہے ؎

سبق پڑھ پھر صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اس وقت نہ عالموں کی کمی ہے نہ مفکروں اور نہ مصنفوں کی کمی ہے بلکہ اہل درد کی کمی ہے ان لوگوں کی کمی ہے جن کے دلوں پر واقعی ایسی چوٹ ہو جیسی حضرت سید احمد شہید اور انکے لوگوں کے دلوں پر تھی، ویسی چوٹ ہو جیسی شیخ حسن البنا شہید اور ان کے ساتھیوں کے دلوں پر تھی ویسی چوٹ ہو جیسی مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، مولانا محمد علی مونگیریؒ اور ان کے لوگوں کے دلوں پر تھی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ شخصیتوں کا پیدا ہونا اور اپنا رول ادا کر کے آخرت کا رخت سفر باندھنا یہ تو سنت اللہ ہے، جو پیچھے رہ گئے ہیں ان کو اپنا جائزہ لینا چاہیئے کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے۔

فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (سورۂ احزاب ۲۳)

تو ان میں بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں

پیچھے رہ جانے والوں کا تعلق من ینتظر سے ہے اب انھیں یہ جائزہ لینا اور فکر کرنا ہے کہ وہ اس بار سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں حالات کے دھارے میں بہہ کر یا جانے والوں کے نقش قدم پر چل کر حالات سے گھبرا کر مایوس و پست ہمت ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ اس سوز کی ضرورت ہے جس سوز میں ان جانے والوں کی زندگی گذری اس وقت اس سوز کی کمی ہے ساز کی کمی نہیں اور ہم زیادہ تر ساز کا مظاہرہ دیکھتے ہیں اور ہر جگہ ساز ہی ساز ہے اور اب تو بہت جگہ مادیت اور کفر سے بھی ساز باز کر لیا گیا ہے۔ اور اب ساز سے معاملہ ساز باز تک پہنچ گیا ہے۔ اس وقت ساز سے زیادہ سوز اور صورت سے زیادہ حقیقت اور بے چینی کی ضرورت ہے یہ وہی حقیقت ہے جس کا خطرہ ابلیس نے اپنی مجلس شوریٰ میں ظاہر کیا تھا ؎

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کے خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشک سحر گاہی سے جو ظالم وضو

ہم اگر اخلاص و مجاہدہ اور عزم و ہمت سے کام لیں اور اپنے پیش روؤں کے نقش قدم پر چلیں تو کوئی وجہ نہیں کہ خالق کائنات کا دست قدرت ہماری دست گیری نہ فرمائے، اسلامی تاریخ میں ایسے متعدد نازک موڑ آئے ہیں جہاں یہ خطرہ پیدا ہوا کہ انسانیت کو روشنی دکھانے والی اسلام کی شمع فروزاں اب بجھی اور تب بجھی لیکن انھیں نازک حالات اور مایوس کن طوفانوں کے گرد و غبار سے کوئی ایسا شہسوار نمودار ہوا ہے جس نے ہواؤں کے رخ کو موڑ دیا ہے، حالات سے پنجہ آزمائی کی ہے اور اس کی کلائی کو موڑا ہی نہیں بلکہ توڑ دیا ہے اور یہ اس وقت ہوا ہے جب دل دردمند اور فکر ارجمند کے ہتھیار سے لیس ہو کر اور ——— تمام مادی نفع و ضرر سے منھ موڑ کر کام کیا گیا۔ جیسا کہ مذکورہ شخصیتوں کے چھوڑے ہوئے نقوش سے ہم کو سبق ملا ہے اور برابر ملتا رہا ہے۔ اس امت کی قیادت و سیادت اور اس کا مقام بلند اس کو ان عارضی منافع اور مادی فوائد سے بہت دور رکھتا ہے جو انسانیت کی رہبری اور رہنمائی میں رکاوٹ بنیں۔ اس کی پرواز ان وقتی اور عارضی فوائد سے بہت بلند ہے، جن کے پیچھے عصر حاضر کا انسان دیوانہ ہو رہا ہے۔ اقبال نے بندۂ مومن کے اسی مقام بلند کو یاد دلاتے ہوئے کہا ہے ؎

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

قرآن کا اعجاز

قرآن مجید کی بھی عجیب شان ہے۔ اس کی تلاوت کی جائے تو اس سے بہتر کوئی وظیفہ نہیں اس کا علم سیکھا جائے تو اس سے بڑھ کر کوئی علم نہیں جو نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی مفید و کارآمد ہوگا۔ اسے دستور زندگی بنایا جائے تو اس سے بڑھ کر قانون نہیں، اس کی حکمتوں پر غور و خوض کیا جائے تو حکمتوں سے بھرا ہوا کوئی اور کلام نہیں، معارف کی جستجو ہو تو اس سے بہتر معارف کا ذخیرہ کہیں نہیں، اس کی کیفیات اپنے اوپر طاری کر لی جائیں تو اس سے بڑھ کر سکون قلب کا سامان کوئی نہیں، نعمتوں کا جو تصور بھی کوئی قائم کرے وہ سب کی سب اس کے اندر جمع ہیں جو یہاں عملی شکل میں ہیں اور جو عالم آخرت میں باغ و بہار کی شکل و صورت میں ظاہر ہوں گی اور یوں معلوم ہوگا کہ قرآن کریم ایک عظیم الشان اور حد نظر تک وسیع باغ ہے جس میں ہزاروں لاکھوں خوش نما پھول کھلے ہوئے ہیں جو ہمہ وقت اپنی خوشبو سے اس چمن کو معطر کئے ہوئے ہیں اس سے قلب پر عجیب کیفیات طاری ہو رہی ہوں گی، اور حیرت انگیز انکشافات ظاہر ہو رہے ہوں گے۔ غرض ایسی ایسی نعمتیں ملیں گی جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا اور نہ کسی کان نے سنا ہوگا۔

عورت مغربی فضلاء اور اہل انصاف کی نظر میں

● حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم

(دوسری و آخری قسط)

عورت اقبال کے کلام میں

جدید اردو شاعری میں غالباً حالی و اقبال ہی دو ایسے شاعر ہیں جن کے یہاں غزلوں میں صنفی آلودگی، عریانیت اور سطحیت نہیں ملتی، بلکہ اس کے برخلاف عورت کے مقام و احترام اور اس کی حیثیت عرفی کو بحال کرنے میں ان دونوں کا بڑا ہاتھ نظر آتا ہے

اقبال عورتوں کے لئے وہی طرز حیات پسند کرتے تھے، جو صدر اسلام میں پایا جاتا تھا، جس میں عورتیں مروجہ برقع کے نہ ہوتے ہوئے بھی شرم و حیاء اور احساس عفت و عصمت میں آج سے کہیں زیادہ آگے تھیں، اور شرعی پردے کے اہتمام کے ساتھ ساتھ زندگی کی تمام سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھیں۔

۱۹۱۲ء میں طرابلس کی جنگ میں جب انکو اس کا ایک نمونہ دیکھنے کو ملا یعنی ایک عرب لڑکی فاطمہ بنت عبداللہ غازیوں کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہوئی تو انھوں نے اس کا زوردار ماتم کیا ؎

فاطمہ! تو آبروئے امت مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشت خاک کا معصوم ہے
یہ سعادت حور صحرائی تری قسمت میں تھی
غازیان دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی
یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر
ہے جسارت آفریں شوق شہادت کس قدر
یہ کلی بھی اس گلستان خزاں منظر میں تھی
ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی
اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بال میں بھی خوابیدہ ہیں
فاطمہ! گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے
نغمہ! عشرت بھی اپنے نالۂ ماتم میں ہے
رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے
ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
ہے کوئی ہنگامہ تیری تربت خاموش میں
پل رہی ہے ایک قوم تازہ اس آغوش میں

انھیں ہنروران ہند اور ایسے تمام فنکاروں سے شکایت تھی، جو عورت کے نام کا غلط استعمال کر کے ادب کی پاکیزگی، بلندی اور مقصدیت کو صدمہ پہنچاتے ہیں وہ اپنی ایک نظم میں وہ کہتے ہیں ؎

چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقامات بلند
کرتے ہیں روح کو خوابیدہ بدن کو بیدار
ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

وہ "دختران ملت" سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمان خاتون کے لئے دلبری اور بناؤ سنگار ایک معنی میں کفر ہے بلکہ انھیں تو اپنی شخصیت انقلابی فطرت اور پاکیزہ نگاہی سے باطل کی امیدوں پر پانی پھیر دینا چاہیئے ؎

بہل اے دختر ایں دلبری ہا
مسلماں را نہ زیبد کافری ہا
منہ دل بر جمال غازہ پرور
بیاموز از نگہ غارت گری ہا

وہ کہتے ہیں مسلمان عورت کو پردہ کے اہتمام کے ساتھ بھی معاشرہ اور زندگی میں اس طرح رہنا چاہیئے کہ اس کے نیک اثرات معاشرہ پر مرتب ہوں اور اس کے پرتو سے حریم کائنات اس طرح روشن رہے، جس طرح ذات باری کی تجلی حجاب کے باوجود کائنات پر پڑ رہی ہے ؎

ضمیر عصر حاضر بے نقاب ست
کشادش در نمود رنگ آب ست
جہاں تابی ز نور حق بیاموز
کہ او با صد تجلی در حجاب ست

وہ دنیا کی سرگرمیوں کی اصل ماؤں کی ذات کو قرار دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ان کی ذات امین ممکنات ہے اور انقلاب انگیز مضمرات کی حامل اور جو قومیں ماؤں کی قدر نہیں کرتیں ان کا نظام زندگی سنبھل نہیں سکتا ؎

جہاں را محکمی از امہات ست
نہادشاں امین ممکنات ست
اگر ایں نکتہ را قومے نداند
نظام کار و بارش بے ثبات ست

وہ اپنی صلاحیتوں اور کارناموں کو اپنی والدہ محترمہ کا فیض نظر بناتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ آداب و اخلاق تعلیم گاہوں سے نہیں ماؤں کی گود سے حاصل ہوتے ہیں ؎

مرا داد ایں خرد پرور جنونے
نگاہ مادر پاک اندرونے
ز مکتب چشم و دل نتواں گرفتن
کہ مکتب نیست جز سحر و فسونے

وہ قوموں کی تاریخ اور ان کے ماضی وحال کو ان کی ماؤں کا فیض قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ماؤں کی پیشانیوں پر جو لکھا ہوتا ہے وہی قوم کی تقدیر ہوتی ہے ؎

خنک آن ملتے کز دار دانش
قیامت ہا بہ بلند کائناتش
چہ پیش آید چہ پیش افتاد اورا
تواں دید از جبین امہاتش

وہ ملت کی خواتین کو دعوت دیتے ہیں کہ ملت کی تقدیر سازی کا کام کریں، اور ملت کی شام الم کو صبح بہار سے بدل دیں اور وہ اس طرح کہ گھروں میں قرآن کا فیض عام کریں جیسے حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ نے اپنی قرآن خوانی سے ان کی تقدیر بدل دی اور اپنے لحن و لہجہ کے سوز و ساز سے ان کے دل کو گداز کر دیا تھا ؎

ز شام ما بروں آور سحر را
بہ قرآں باز خواں اہل نظر را
تو می دانی کہ سوز قرأت تو
دگر گوں کرد تقدیر عمرؓ را

اقبال معاشرتی اور عائلی زندگی میں ماں کے مرکزی مقام کے قائل ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ خاندانی نظام میں جذبۂ امومت اصل کا حکم رکھتا ہے، اور اسی کے فیض سے نسل انسانیت کا باغ لہلہاتا رہتا ہے، ان کا خیال ہے کہ جس طرح گھر سے باہر کی زندگی میں مردوں کو فوقیت حاصل ہے، اسی طرح گھر کے اندر کی سرگرمیوں میں عورت اور خصوصاً ماں کی اہمیت ہے اس لئے کہ اس کے ذمہ نئی نسل کی داشت و پرداخت اور دیکھ بھال ہوتی ہے، انسان کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہوتی ہے، ماں جتنی مہذب و شائستہ اور بلند خیال ہوگی بچے پر بھی اتنے ہی یہ اثرات مرتب ہوں گے، اور ایک اچھی اور قابل فخر نسل تربیت پا سکے گی ؎

وہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آداب فرزندی

اقبال کی نظر میں عورت کا شرف و امتیاز اس کے ماں ہونے کی وجہ سے ہے، جو قومیں امومت (حق مادری) کے آداب نہیں بجا لاتیں تو ان کا نظام ناپائدار اور بے احساس ہوتا ہے، اور خاندانی امن و سکون درہم برہم ہو جاتا ہے۔ افراد خاندان کا باہمی اتحاد و اعتماد ختم ہو جاتا ہے، چھوٹے بڑے کی تمیز اٹھ جاتی ہے، اور بالآخر اقدار عالیہ اور اخلاقی خوبیاں دم توڑ دیتی ہیں۔ ان کے خیال میں مغرب کا اخلاقی بحران اسی لئے رونما ہوا کہ وہاں ماں کا احترام اور صنفی پاکیزگی ختم ہو گئی ہے۔

وہ آزادی نسواں کی تحریک کے اسی لئے حامی نہیں کہ اس کا نتیجہ دوسرے انداز میں عورتوں کی غلامی ہے۔ اس سے ان کی مشکلات آسان نہیں، اور پیچیدہ ہو جائیں گی، اور انسانیت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ جذبۂ امومت ختم ہو جائے گا۔ ماں کی مامتا کی روایت کمزور پڑ جائے گی، اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ جس علم سے عورت اپنی خصوصیات کھو دیتی ہے، وہ علم نہیں، بلکہ موت ہے، اور فرنگی تہذیب قوموں کو اسی موت کی دعوت دے رہی ہے:۔

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ امومت
ہے حضرت انساں کے لئے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت
بیگانہ رہے دین سے اگر مدرسۂ زن
ہے عشق و محبت کے لئے علم ہنر موت
علم ادبار امومت برنتافت
بر سر شاخش یکے اختر نتافت
ایں گل از بستانِ ما نارستہ بہ
داغش از دامان ملت شستہ بہ

اقبال کے خیال میں آزادیٔ نسواں ہو یا آزادیٔ رجال، یہ دونوں کوئی معنی نہیں رکھتے، بلکہ مرد و زن کا ربط، باہمی ایثار اور تعاون ایک دوسرے کے لئے ضروری ہے، زندگی کا بوجھ ان دونوں کو مل کر اٹھانا اور زندگی کو آگے بڑھانا ہے۔ ایک دوسرے سے عدم تعاون کے سبب زندگی کا کام ادھورا اور اس کی رونق پھیکی ہو جائے گی، اور بالآخر یہ نوع انسانی کا نقصان ہوگا ؎

مرد و زن وابستۂ یک دیگر اند
کائنات شوق را صورت گر اند
زن نگہ دارندۂ نارِ حیات
فطرت او لوحِ اسرارِ حیات
آتش ما را بجانِ خود زند
جوہر او خاک را آدم کند
در ضمیرش ممکناتِ زندگی
از تب و تابش ثباتِ زندگی
ارجِ ما از ارجمندی ہائے او
باہمہ از نقشبندی ہائے او

اقبالؒ فرماتے ہیں کہ عورت اگر علم و ادب کی کوئی بڑی خدمت انجام نہ دے سکے تب بھی صرف اس کی مامتا ہی قابل قدر ہے، جس کے طفیل مشاہیر عالم پروان چڑھتے ہیں اور دنیا کا کوئی انسان نہیں، جو اس کا ممنون احسان نہیں ؎

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں
شرف میں بڑھ کر ثریا سے مشت خاک اسکی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا در مکنوں
مکالمات فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں!

آزادیٔ نسواں کی تحریک سے مرد و زن کا رشتہ جس طرح کٹا اور اس کے جو برے نتائج

سامنے آئے اقبال کی نظر میں اسی کی ذمہ دار مغربی تہذیب ہے۔ "مرد فرنگ" کے عنوان سے کہتے ہیں ؎

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا
مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں
کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہندو یوناں ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بیکار و زن تہی آغوش

اقبال پردے کی حمایت میں کہتے ہیں کہ پردہ عورت کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں، وہ پردے میں رہ کر تمام جائز سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہے، اور اپنے فرائض کی انجام دہی کر سکتی ہے، کیونکہ خالقِ کائنات پس پردہ ہی کارگاہ عالم کو چلا رہا ہے، اس کی ذات کو حجاب قدس میں ہے، لیکن اس کی صفات، پرچھائیاں بحر و بر پر پھیلی ہوئی ہیں، مولانا آسی نے خوب کہا ہے ؎

بے حجابی یہ کہ ہر شے سے ہے جلوہ آشکار
اس پر پردہ یہ کہ، صورت آج تک نادیدہ ہے

اقبال عورت کو خطاب کرتے ہیں ؎

جہاں تابی ز نور حق بیاموز
کہ او با صد تجلی در حجاب است

وہ پردہ کے مخالفوں کے جواب میں کہتے ہیں کہ پردہ جسم کا حجاب ہے، لیکن اسے عورت کی بلند صفات اور پنہاں امکانات کے لئے رکاوٹ کیسے کہا جا سکتا ہے۔ اصل سوال یہ نہیں ہے کہ چہرے پر پردہ ہو یا نہ ہو، بلکہ یہ ہے کہ شخصیت، اور حقیقت ذات پر پردے نہ پڑے ہوں، اور انسان کی خودی بیدار اور آشکار ہو چکی ہو ؎

بہت رنگ بدلے سپہر بریں نے
خدایا یہ دنیاں جہاں تھی وہیں ہے
تفاوت نہ دیکھا زن و شو میں میں نے
وہ خلوت نشیں ہے، یہ جلوت نشیں ہے
ابھی تک ہے پردے میں اولاد آدم
کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے

پردے کی حمایت و تائید میں اقبال نے "خلوت" کے عنوان سے ایک نظم کہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پردہ کی وجہ سے عورت کو یکسو ہو کر اپنی صلاحیتوں کو نسلوں کی تربیت پر صرف کرنے اور اپنی ذات کے امکانات کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسے سماجی خرابیوں سے الگ رہ کر اپنے گھر اور خاندان کی تعمیر کا سامان میسر آتا ہے، گھر کے پرسکون ماحول کے اندر اسے زندگی کے مسائل اور معاشرتی موضوعات کو سوچنے سمجھنے کی آسانیاں ملتی ہیں اور اس طرح وہ اپنے اور دوسروں کے لئے بہتر کارگزاری کر سکتی ہے ؎

رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے نگہ آئینہ دل ہے مکدر
بڑھ جاتا ہے جب ذوق نظر اپنی حدوں سے
ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر
آغوش صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
وہ قطرہ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر
خلوت میں خودی ہوتی ہے خود گیر و لیکن
خلوت نہیں اب دیر و حرم میں بھی میسر

ایک بڑا معاشرتی سوال یہ رہا ہے کہ مرد و زن کے تعلق میں بالادستی (UPPER HAND) کے حاصل ہو، اس لئے کہ دنیا کا کوئی بھی تعلق ہو اس میں کوئی ایک فریق شریک غالب کی حیثیت ضرور رکھتا ہے، اور یہ اس کائناتی حقیقت پر مبنی ہے کہ ہر شے اور ہر انسان ایک دوسرے کا محتاج ہے اور ہر ایک، ایک دوسرے کی تکمیل کرتا ہے خصوصاً مرد و زن کے تعلقات میں چند چیزوں میں مرد کو عورت پر فضیلت اور اولیت حاصل ہے اور یہ بھی کسی نسلی اور صنفی تفریق کی بناء پر نہیں بلکہ خود عورت کے حیاتیاتی، عضویاتی فرق اور فطرت کے لحاظ کے ساتھ اس کے حقوق و مصالح کی رعایت کے پیش نظر ہے۔ نگرانی اور "قوامیت" ایسی چیز نہیں جو مرد اور عورت دونوں کے سپرد کر دی جاتی یا عورت کو دیدی جاتی۔ اقبال نے مغرب کے نام نہاد "آزادیٔ نسواں" کی پروا کئے بغیر عورت کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی پرزور وکالت کی اور عورت کی حفاظت کے عنوان سے کہا ؎

اک زندہ حقیقت میرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی
نسوانیت زن کا نگہبان ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

یہ نظم درحقیقت حدیث شریف "لن یفلح قوم ولوا علمھم امراۃ" کی ترجمانی ہے، انھوں نے اپنی دوسری نظم میں فرمایا ؎

جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منتِ غیر
غیر کے ہاتھ میں ہے جوہر عورت کی نمود
راز ہے اس کے تپِ غم کا یہی نکتۂ شوق
آتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا وجود
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرار حیات
گرم اسی آگ سے ہے معرکۂ بود و نبود
میں بھی مظلومیٔ نسواں سے ہوں غمناک بہت
نہیں ممکن مگر اس عقیدۂ شکل کی کشود

اقبال نے اس حدیث کا بھی حوالہ دیا ہے کہ "جنت" ماؤں کے قدموں تلے ہے۔ انھوں نے

امومت کو رحمت کہا ہے۔ اور اسے نبوت سے تشبیہ دی ہے، ماں کی شفقت کو وہ پیغمبر کی شفقت کے قریب کہتے ہیں، اس لئے کہ اس سے بھی اقوام کی سیرت سازی ہوتی ہے، اور ایک ملت وجود میں آتی ہے ؎

آں یکے شمع شبستانِ حرم
حافظ جمعیت خیر الامم
سیرت فرزندہا از امہات
جوہر صدق و صفا از امہات
آنکہ تازد بر وجودش کائنات
ذکر او فرمود باطیب و صلوٰۃ
گفت آں مقصودِ حرف کن فکاں
زیر پائے امہات آمد جناں

نیک اگر بیتی امومت رحمت ست
زانکہ اور ابانبوت نسبت ست
شفقتِ او شفقت پیغمبر است
سیرت اقوام را صورت گر است
از امومت پختہ تعمیر ما
در خط سیمائے او تقدیر ما
آب بند کل جمعیت توئی
حافظ سرمایۂ ملت توئی
ہوشیار از دست بردِ روزگار
کیسہ فرزندانِ خود را درکنار

آخر میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اقبال حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ملت اسلامیہ کی ماؤں کے لئے مثالی خاتون سمجھتے ہیں، اور جگہ جگہ ان کی اتباع کی تاکید کرتے ہیں، کہ وہ کس طرح چکی پیستے ہوئے بھی قرآن پڑھتی رہتی تھیں اور گھریلو کاموں میں مشکیزہ تک اٹھانے پر صبر فرماتی تھیں اقبال کے خیال میں سیرت کی اس پختگی سے حضرت حسینؓ ان کی آغوش سے نکلے ؎

مزرع تسلیم را حاصل بتولؓ
مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ
آں ادب پروردۂ صبر و رضا
آسیاں گرداں و لب قرآں سرا
نطرتِ تو جذبہ ہا دارد بلند
چشم ہوش از اسوۂ زہراؓ مبند
تا حسینےؓ شاخ تو بار آورد
موسم پیشیں بہ گلزار آورد!

وہ مسلمان خاتون کو وصیت کرتے ہیں کہ ؎

اگر بندے زدرد یشے پذیری
ہزار امت ہمیرد تو نہ میری

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت موقع دیا ہے ملت کی خدمت کا وہ موقع دیا جو دوسرے بہت سے طبقوں کو نہیں ملتا، علامہ اقبال نے کہا گھر میں بیٹھو اور شبیر کو پالو ؎

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری
حسینؓ جیسا اولوالعزم، حسینؓ جیسا مجاہد،

حسینؓ جیسا مرد میداں پیدا کرو۔ اور کہا چکی چلانا اور اللہ کا نام لینا کہ ہاتھ سے چکی چلائی جائے گی اور زبان سے اللہ کا نام لیا جائے گا۔ خصوصیت ہے مسلمان عورت کی کہ گھر میں چاہے اس کی زندگی کیسی ہی ہو، عسرت کی زندگی ہو، خدمت کی زندگی ہو، محنت کی زندگی ہو سادگی کی زندگی ہو، لیکن ہر حال میں خوش اور راضی اور اللہ کا نام لے رہی ہو، اور ملت کی خدمت میں اور خاندان کی خدمت میں اپنے گھر میں اور اس کو ترقی دینے میں مشغول ہو۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمان گھروں میں ایسی بچیاں پیدا فرمائے جو اچھی مائیں اور اچھی بہنیں اور اچھی بیٹیاں اور ملت کی خدمت گذار ذاکرات، شاکرات، مومنات۔ اور صالحات، قانتات اور طیبات ہوں، یہ سب اللہ تعالیٰ نے مسلمان بیبیوں کی تعریف میں بہت سے الفاظ فرمائے ہیں۔ مؤمنات کو قانتات کہا، صالحات کہا ہے، طیبات کہا ہے، الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات، یہ سب قرآنی الفاظ ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا مستحق بنائے۔ اور آپ حقیقی معنی میں اس کا مصداق بنیں۔

(از: اسلام میں عورت کا درجہ اور اس کے حقوق و فرائض)

بمبئی کے قارئینِ "تعمیرِ حیات" سے

بمبئی کے قارئینِ "تعمیرِ حیات" حضرات سے گذارش ہے کہ "تعمیرِ حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں۔ وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA
Tea Merchants
44, Haji Building,
S. V. Patel Road, Null bazaar, Bombay 400 003.
Tele. : Add Cupkeila Tel. : 3762220/3728708
Tel. (R) 3095852

۲۴ نمبر اور ۱۲ نمبر کی اسپیشل چائے
حاصل کیجئے۔

یادِ یارِ مہرباں

مولانا قاضی معین اللہ ندوی کی وفات

مولانا عبداللہ عباس ندوی

مولانا معین اللہ مرحوم سے اپنے تعلق کا ذکر کروں، یا مخدوم و مربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ سے مرحوم کی وابستگی کی داستان سناؤں، یا ندوۃ العلماء کی تاریخ پر جو ان کی انگلیوں کے انمٹ نشان پڑے ہیں ان کو اجاگر کروں یا دعوت و تبلیغ کے کام میں جو ان کی خدمات رہی ہیں ان کا تذکرہ کروں۔ باتیں سب یاد ہیں، اور ان کی سیرت کا ہر نقش دل و دماغ پر مرتسم ہے مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں سے شروع کروں۔

"ایک عمر کا ساتھی چھوٹا ہے، دو چار برس کی بات نہیں"۔ تاریخی تسلسل کو سامنے رکھوں تو یاد آتا ہے کہ ۱۹۳۹ء کے نومبر مطابق شوال ۱۳۵۸ھ میں جب راقم نے ۱۶ سال کی عمر میں دارالعلوم کے درجہ پنجم میں داخلہ لیا ہے، اس وقت جو طلبہ پہلے سے پڑھ رہے تھے، ان میں مولانا معین اللہ بھی تھے، جو درجہ ششم میں پڑھتے تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی حکیم نور اللہ مرحوم درجہ چہارم میں تھے۔ (مرحوم کا عین جوانی میں جب کہ وہ تکمیل الطب لکھنؤ میں زیر تعلیم تھے بعارضہ تپ دق انتقال ہوا) یہ دونوں بھائی اس وقت گوالیاری کہے جاتے تھے کیونکہ ان کا وطن اس وقت ریاست گوالیار میں پڑتا تھا اور دونوں بھائی اسی ریاست کے وظیفہ پر دارالعلوم میں پڑھنے آئے تھے، دونوں ماشاء اللہ گورے رنگ اور اچھے ناک نقشے کے لڑکے تھے، اور انگریزی ایک مدرس ماسٹر عبدالحق صاحب مرحوم ان کے اتالیق تھے۔ فٹ بال اور ہاکی اچھی کھیلتے تھے، اُن دنوں طلبہ کی تعداد کم تھی، اس لئے ایک دوسرے کو آسانی سے پہچانتے، اور سب مل جل کر شبلی دارالاقامہ (شبلی ہوسٹل) میں رہا کرتے تھے۔

مولانا معین اللہ صاحب فارغ ہونے سے دو سال پہلے ہی حضرت مولانا مدظلہ سے مکمل طور پر وابستہ ہو گئے تھے، اور دعوت و تبلیغ کے کام میں لگ گئے تھے، اسی تعلق سے وہ مرکز نظام الدین دہلی کثرت سے جانے لگے، اور وہیں سے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا، یہ حضرت دہلوی (حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ) کی زندگی کے آخری ایام تھے، آپ کی خدمت میں جو لوگ پیش پیش رہتے تھے، ان میں مولانا معین اللہ بھی تھے، اور حضرت دہلوی کی وفات کے بعد جب مولانا محمد یوسفؒ جانشین ہوئے تو پہلے روز جن لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت توبہ کی، انھیں میں ہمارے محب گرامی مولانا قاضی معین اللہ بھی تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

شعبان ۱۳۶۶ھ مطابق جولائی ۱۹۴۷ء میں حضرت مولانا نے اپنے افراد خاندان کے ساتھ پہلا حج کیا، حجاز مقدس کے حالات اس وقت آج سے بہت مختلف تھے، وہاں سے واپسی کے بعد حضرت نے محسوس فرمایا کہ دعوتی کام کی تربیت کے لئے چند ندوی فضلاء کو عرب بھیجا جائے۔ اس کام کے لئے سب سے پہلی جماعت جو روانہ ہوئی ان میں مولانا معین اللہ مرحوم بھی تھے، دوسرے صاحب مولوی عبدالرشید اعظمی تھے، مولانا معین اللہ نے دو سال پوری یکسوئی اور انہماک کے ساتھ حجاز میں "مخت" کی اور مکہ مکرمہ کے قرب و جوار کے بادیوں (دیہاتی غیر متمدن علاقوں) میں جہاں خالص عرب بدو رہتے ہیں) دعوت کا کام کیا، اس وقت حکومت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں تھی، اقامت اور راہ گزاری کے قوانین نہیں تھے، لوگ جہاں چاہتے جاتے اور جتنا عرصہ چاہتے قیام کرتے اور جس مسجد میں چاہتے بغیر کسی روک ٹوک کے قیام کرتے اور وعظ کہتے، احادیث کا درس دیتے، یعنی ریاض الصالحین اور مشکوٰۃ پڑھ کر سناتے اور اس کی تشریح کرتے۔

مولانا معین اللہ صاحب نے اس زمانہ میں حجاز مقدس کی بستیوں اور بادیوں کا سفر کیا، جہاں اونٹ ہی سے سفر ممکن تھا، اور جہاں پیدل جا سکتے تھے پیدل گئے۔ سڑکیں نایاب تھیں پانی کی کمی تھی، مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا سفر جب اونٹ پر کیا اس وقت ایک لوٹے پانی میں غسل اور ایک پیالے بھر پانی سے وضو کرنا پڑتا تھا۔

مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ ان تبلیغی قافلوں کے قائد اور راہنما تھے اعلیٰ داعیانہ خصوصیات و صفات کے جامع تھے، ان کی ذات جد و جہد، اخلاص نیت اور جفاکشی کا اعلیٰ نمونہ تھی، ان تبلیغی دوروں میں مولانا معین اللہ صاحب نے بہت کچھ سیکھا، دعاء و ابتہال، ذکر و تلاوت اور تعلق باللہ کا جو تخم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کی صحبت، حضرت دہلویؒ اور مولانا محمد یوسفؒ صاحب

(جانشین حضرت دہلویؒ) کی قربت نے ڈالا تھا، وہ عرب میں تبلیغی دوروں اور اللہ کے راستے میں جفاکشی اور سنت پر عمل سے، اور حضرت مولانا عبید اللہ بلیاویؒ صاحب کی عملی تربیت سے بارآور ہوا۔

حجاز مقدس میں ایک سال جدوجہد کرچکے تو ۱۳۶۹ھ بمطابق ۱۹۵۰ء میں حضرت مولانا مدظلہ دوسرے حج کے لئے تشریف لے گئے، یہ سفر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ۔ کی معیت میں ہوا تھا، حضرت مولانا کے ساتھ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا محمد طاہر منصور پوری اور رضوان علی صاحب راجپوری بھی تھے، اس قافلہ میں ایک ناشناختہ بر (اس کا نام نہ لیا جائے تو بہتر ہے) بھی شریک سفر تھا، اس وقت مولانا معین اللہ اور مولوی عبدالرشید اعظمی ندوی وہاں پہلے موجود تھے، موسم حج کے خاتمہ کے بعد ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ بمطابق ۱۹۵۱ء میں حضرت مولانے حجاز سے مصر کا سفر کیا، آپ کے ساتھ آپ کے دونوں قدیم رفقا بھی تھے (ہم لوگ جو اس سال پہلی بار گئے تھے حجاز ہی میں رہ گئے) اس سفر کی روداد روزنامچہ کی شکل میں حضرت نے خود تحریر فرمائی ہے۔ (تذکرات السائح فی الشرق العربی) اس کا اردو ترجمہ مولانا شمس الحق صاحب ندوی نے کیا ہے، مولانا معین اللہ صاحب اس سفر میں حضرت کے رفیق، مشیر، اور منتظم بھی تھے، جن کی رفاقت کی وجہ سے حضرت مولانا کو یکسو ہوکر دعوتی لٹریچر تیار کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی، اس سفر میں مصر، سوڈان اور شام کا دورہ ہوا، تفصیلات کے طالب "شرق اوسط کی ڈائری" (ترجمہ مولانا شمس الحق صاحب ایڈیٹر تعمیر حیات) میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں، ان ممالک سے واپسی حجاز کے راستے سے ہوئی، حج ۱۳۷۰ھ کی ادائیگی کے بعد مولانا معین اللہ حضرت مولانا کے ساتھ ہندوستان واپس آئے۔

واپسی کے بعد مولانا معین اللہ ندوہ سے منسلک ہوگئے، ابتداء بڑی خدمات سے کی، اور جب ندوہ نے یہ طے کرلیا کہ صرف ونحو کی ابتدائی درسی کتابوں کو فارسی سے اردو میں نقل کی جائے تو ایک دو کتابیں مولانا معین اللہ صاحب نے بھی لکھیں، لیکن تدریس مولانا معین کا میدان نہیں تھا، اس لئے انتظامی امور اور ندوہ کے کام کو پھیلانے کی خدمت انھوں نے قبول کی، حضرت مولانا اس وقت ..... معتمد تعلیم تھے، اور حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ (سید صاحب) کے کراچی منتقل ہونے سے ندوہ کس مپرسی کے عالم میں تھا، مولانا محمد عمران خاں صاحب علیہ الرحمہ بھی ندوہ چھوڑ چکے تھے، مولانا معین اللہ صاحب کے جوہر اس وقت کھلے جب انھوں نے اس ٹوٹی کشتی کی پتوار سنبھالی، طلبہ واساتذہ کی تعداد مختصر تھی اور مختصر جماعت بھی انتشار فکری کا شکار تھی، آمدنی مفقود، وسائل محدود تھے، بعض وہ حضرات جو ندوہ کو اپنا حریف سمجھتے تھے وہ اپنے پندار کا اظہار مختلف انداز میں کرنے لگے تھے، حضرت مولانا کو جس وقت ندوہ کا نائب ناظم مقرر کیا گیا، آپ نے نصاب تعلیم کو دوبارہ مرتب فرمایا، درجہ درجہ اساتذہ کے طرز تدریس ملاحظہ فرمائے، اور مسلسل علمی مزاج اور ندوہ دینی تہذیب کے معیار کو بلند کرنے پر اپنی کاوشیں صرف کرنے لگے، درسی کتابیں تصنیف کیں، دوسرے اساتذہ کی سرپرستی کی جنہوں نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا، تمرین الدرس، معلم الانشاء، اور اردو میں میزان ومنشعب وغیرہ تیار ہوئیں۔ خود حضرت مولانا کی قصص النبیین، القراۃ الراشدہ نے ہندوستان سے آگے بڑھ کر مصر وشام سے خراج تحسین وصول کیا، مختارات تو ایک سنگ میل ثابت ہوا (اس کی تفصیلات انشاء اللہ یہیں کارواں ذیر طبع میں آئیں گی) مولانا معین اللہ ندوی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ نائب ناظم کو چھوٹی بڑی انتظامی وتعمیری کاموں کی فکر میں نہیں پڑنے دیا، آٹے دال کا بھاؤ، وظائف کی تقسیم کارکنوں کی ضرورت پوری کرنا، اس طرح سیکڑوں کام میں جس میں اگر حضرت مولانا پڑ جاتے، تو تاریخ دعوت وعزیمت ارکان اربعہ لکھنا آسان نہ ہوتا، اصولی اور بنیادی خاکہ حضرت مولانا کا ہوتا تھا، اور اس میں رنگ بھرنے اور جاری کرنے کا کام مولانا معین اللہ صاحب نے اپنے ذمے لیا۔ اس بات کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ندوہ جو اس دور میں ابھر کر عالم اسلام کے علمی نقشہ پر نمایاں ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی خاص نظر ورحمت کا مظہر ہے، اور اس کا ذریعہ اللہ نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کو بنایا۔ مولانا معین اللہ حضرت کے قوت بازو معتمد علیہ معاون تھے، مولانا معین اللہ نے یہ دیکھ لیا کہ حضرت کی شخصیت مقبول عنداللہ ہے اور اس مقبولیت کا ثمرہ خلق خدا کی گرویدگی سے نمایاں ہے۔ آپ کی شخصیت اور مقبولیت سے ندوہ کو بھرپور فائدہ پہونچانا چاہتے تھے، انبیاء کرام کو بھی اعوان وانصار کی ضرورت پڑتی ہے تو دنیا کا کوئی فرد خواہ کتنا ہی بلند ہو معاون سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، انبیاء کرام کے بعد صلحاء امت میں بھی اس کی بہتیری مثالیں ملیں گی۔

مولانا معین اللہ صاحب نے جو بھی کیا ایک معین ومساعد کی حیثیت سے کیا، لیکن ایسا معین ومساعد جو اگر نہ ہوتا تو بوئے چمن بیرون چمن نہ پھیل سکتی، علامہ اقبال نے خوب کہا ہے ؎

بوئے گل پھیلتی کس طرح جو ہوتی نہ نسیم

مولانا معین اللہ نے ندوہ کا کام اس وقت ہاتھ میں لیا جب کہ سالخوردہ درسگاہ اور ایک دارالاقامہ تھا، طلبہ اتنے کم تھے کہ مسجد خالی خالی لگتی تھی۔ اور یہ عالم ہے متعدد چھ بڑے بڑے ہوسٹل ہیں، مسجد کو دوبارہ وسیع کیا جاچکا ہے، ۱۵۰ شاخیں ہیں اور خود دارالعلوم کا احاطہ ناکافی ہوگیا ہے۔ دو درسگاہیں مزید بن گئیں، دو بڑی بڑی شاخیں لکھنؤ شہر ہی میں ہیں جن کا انتظامیہ بجٹ، اسٹاف ندوہ سے الگ ہے لیکن نصاب تعلیم اور تعلیمی سیاست ایک ہی ہے، اور ندوہ اب ایک جیتا جاگتا شہر ہے، جس کو غیر مسلم اہل نظر اور غیر مسلم صحافی بھی ایک باوقار امتیازی شخصیت رکھنے والے ادارہ لکھتے ہیں، اور سوالے چند..... جن کی نرگسیت نے مہلت نہیں دی کہ آنکھ اٹھاکر دنیا کی طرف دیکھیں لیکن ان کو چھوڑ کر کیا اپنے کیا پرائے سب ہی آفتاب کو آفتاب کہتے ہیں۔

مولانا معین اللہ صاحب نے اپنی جوانی کو حضرت کی رفاقت پر قربان کردیا، ندوہ کے لئے اپنی ساری توانائی لگادی، اس کی خاطر شیوۂ احباب بھی دیکھا اور شکوۂ اغیار بھی سنا، اور سازشوں کا وار بھی سہا۔

ان کا وطن اندور سے کچھ دور "اجہرا" تھا، آبائی مکان دیکھ بھال نہ کرنے کی وجہ سے ویران ہوگیا، مگر اس کی پرواہ نہیں کی، اپنے لڑکوں کے لئے سوائے تقویٰ وتوکل کے کوئی دولت کیا ایک پائی نہیں چھوڑی، اپنے خاندان اور خاندان سے باہر جو جوہر قابل نظر آیا اس کو حضرت مولانا سے قریب کیا، اور یہ قربت بھی ندوہ کے کام آئی، وہ ندوہ کی خدمت کو عبادت سمجھتے تھے، انتظامی امور کی نگرانی کے علاوہ ان کا دینی ذوق، ان کی فکر پر حاوی رہتا تھا، اہل اللہ کی کتابیں پڑھنے پڑھانے کا ذوق تھا، بزرگوں سے ملنے کا اہتمام رکھتے، ان کی خدمت میں خود جاتے، اور اپنے دوستوں کو بھی لے جاتے۔

میرا اور ان کا ساتھ ایک بحری سفر میں بھی ہوا، ۱۳۷۳ھ میں ندوہ نے طے کیا کہ کویت ایک وفد بھیجا جائے جو وہاں سے ندوہ کے لئے چندہ حاصل کرے، کویت کا براہ راست ویزہ نہیں مل سکتا تھا، کیونکہ اس وقت اس کے سفارت خانے نہیں تھے، اس لئے لکھنؤ سے بمبئی بذریعہ ٹرین اور بمبئی سے بصرہ تک پانی کے جہاز سے سفر کیا گیا، اور بصرہ سے بغداد تک ٹرین سے گئے۔ اس سفر میں ہم تین مسافر تھے، اور اس مہم پر پہلا سفر تھا، اور شاید آخری بھی، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا معین اللہ ندوی اور راقم الحروف وفد کی سرکردگی کے لئے حضرت مولانا نے راقم کو منتخب فرمایا تھا، لیکن عملاً مولانا معین اللہ سربراہ قافلہ تھے اور ہم دونوں ان کی ہدایت کے پابند تھے، ان کے مشورے بہت صائب اور تجویز عملی کارآمد ہوتی تھی، مولانا معین اللہ صاحب کو ہم لوگ ان خصوصیات کی بنا پر بنداقا مرشد عام کہنے لگے تھے، (الاخوان المسلمون کے سربراہ کا لقب ہوا کرتا تھا) اور عرصہ تک ہم لوگ آپس میں ان کا حوالہ اسی لقب سے دیا کرتے تھے، اور ہم دونوں اس بات کے معترف تھے کہ مولانا معین اللہ کا اس قافلہ میں ہونا ازبس ضروری تھا۔

مولانا معین اللہ صاحب نے حضرت مولانا کے ساتھ متعدد بار حجاز کا سفر کیا، یہ عاجز دو بار ماندہ اپنی حجاز میں موجودگی کی بنا پر ایک رضاکار کی حیثیت سے شریک رہا، ۱۹۶۹ء میں جامعہ اسلام مدینہ منورہ کی مجلس استشاری میں شرکت کے لئے مولانا تشریف لے گئے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کی معیت بھی مولانا کو حاصل ہوئی تھی۔ حضرت مولانا کی بینائی کا سلسلہ بہت پیچیدہ ہوگیا تھا، اور عرصہ سے مطالعہ کا کام سن کر، اور لکھنے کا کام املا کے ذریعہ انجام پاتا تھا، ضرورت محسوس کی گئی کہ مولانا وہاں سے یورپ جاکر معائنہ کرائیں، مرحوم الحاج امین الحسینی (مفتی اعظم فلسطین) بہت مصر تھے کہ مولانا کا معالجہ لندن میں کرایا جائے چنانچہ لندن کا سفر کیا گیا جس میں مولانا معین اللہ صاحب حضرت کے خصوصی رفیق ومشیر تھے۔ رضاکار خدام میں راقم تھا اور اشفاق حسین صاحب انجینیر مبلغ (حضرت کے قدیم محب وقدرداں حاجی ارشد صاحب کے خویش) تھے۔ اس سفر میں مولانا معین اللہ صاحب کی انتظامی صلاحیت اور اصابت رائے کے بہت تجربے ہوئے۔

اس سے پہلے مولانا معین اللہ صاحب حضرت مولانا کے ساتھ کویت کے سفر میں رفیق تھے، وہاں کا ایک عجیب واقعہ قابل ذکر ہے کہ حضرت مولانا، مولانا معین اللہ سے ناراض ہوگئے، ناراضگی کا سبب یہ تھا کہ مولانا معین اللہ صاحب کو ندوہ کی فکر تھی، اور اس کے لئے اہل خیر کو متوجہ کرنا چاہتے تھے، اور حضرت مولانا پر دعوت کی فکر غالب تھی، اور دعوت کا تقاضا یہ تھا کہ افراد کے قلوب کو نرم کیا جائے نہ کہ جیب کو متحرک، یہ بات خود مولانا معین اللہ اور حضرت مولانا نے سنی۔ حضرت مولانا نے معین اللہ صاحب کو وارننگ دیدی کہ اگر آپ نے چندہ کا کاروبار پھیلایا تو پھر بندہ واپس چلا جائے گا۔ اور شاید اس سلسلہ میں اتنی ناراضگی بڑھی کہ ایک دن یا دو دن مولانا معین اللہ صاحب سے بات بھی نہیں کی۔

اس واقعہ سے جہاں حضرت کے بلند کردار اور مال وجاہ کے حصول سے بلند، اور بہت بلند معیار کا اندازہ ہوتا ہے، وہاں مولانا معین اللہ کی ندوہ کے لئے فکرمندی اور اس کی ضروریات کی تکمیل کا جذبہ بھی نمایاں ہوتا۔ خادم ومخدوم دونوں کو فکر دینا ہی کی تھی، حضرت مولانا کسی انسان کو اس کے

دولت کی وجہ سے عظمت دینے کے قائل نہیں تھے ان کے نزدیک یہ صرف اخلاص و تقویٰ کا تھا، اور انبیاء کا اسوہ یہی تھا، "وَلَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا" کا اصول قائم رہے، مولانا معین اللہ بھی دین ہی کے فروغ اور اس کی سربلندی کے طالب تھے، جس کا ذریعہ درس گاہ کے فروغ اور اس کے دائرہ خدمت کو وسیع کرنے کا منصوبہ اپنے سامنے رکھتے تھے، مولانا معین اللہ نے ندوہ کی عمارت بلند کرنے، اور بڑھانے میں معمار کا بھی کام کیا اور اس کے لئے بیڑھی بھی خود ہی بنائی اور جیسا کہ اوپر عرض کیا، حضرت مولانا کی مقبولیت سے ندوہ کو فیض پہونچانے کی مہارت سعی کی۔

مولانا معین اللہ نے ندوہ کی خدمت میں اپنے جسم و جان کی توانائی صرف کی، اور پوری جوانی قربان کردی، شاید لوگوں کو گمان ہو کہ اس کے ذریعہ انھوں نے اپنی راحت رسانی اور فارغ البالی کا ذریعہ نکالا ہو، ایک واقف کار شخص کے لئے یہ حقیقت سے متضاد بات ہے، مولانا نے انتہائی سادگی اور جفاکشی اور قناعت کے ساتھ زندگی گذاری، اور اس راہ میں جو اذیتیں اٹھانا پڑیں وہ ان کو اصحاب عزیمت افراد ات کی صف میں کھڑا کرتی ہیں۔ انتہائی ہمت شکن تبصرے، دل آزار حملے، گھناؤنی پھبتیاں اور اور تمسخر آمیز فقرے ان کو سننا پڑے، گمنام خطوط اور سازشی حلقوں کے وار سہنا پڑے، ندوہ کو اللہ تعالیٰ نے جیسے جیسے فروغ بخشا، ایک طبقے کے دل و دماغ کی پستی اور گراوٹ میں اضافہ ہوتا گیا، کوئی دوسرا ہوتا تو ندوہ کی خدمت کو خیرباد کہہ چکا ہوتا۔ جن لوگوں نے کبھی قوم و ملت کے لئے خلوص اور ایمانداری سے کام کیا ہے۔ ان کو اندازہ ہوگا کہ اگر کام کرنے والوں کی داد و تحسین نہ ہو جب بھی وہ استقامت کے ساتھ کام کرسکتے ہیں۔ لیکن اگر کردار کشی کی جائے اس وقت اپنے آپ کو سنبھالنا دشوار ہو جاتا ہے تو ایسے موقع پر دل پر اثر انداز نہیں ہوتی، راقم اپنے ساتھیوں میں اور ان کی بیٹھ پیچھے ان کی عظمت کا اعتراف کرتا، ان کی خدمات شمار کراتا، اور وہ بھی اپنے حسن تعلق کا اظہار فرماتے۔ الحمدللہ اسی تعلق پر ہم سب قائم رہے، اور وہ اس منزل پر پہونچ گئے جس کا میں منتظر ہوں۔

مولانا مرحوم اپنے ساتھیوں کی مالی مدد بھی کیا کرتے تھے، اپنے ساتھ کام کرنے والوں کا تفقدِ حال (یعنی اس کی ضروریات کا پتہ لگا کر مدد کرنا) کرتے، بعض مدرسین جو انتقال کر گئے، ان کے پسماندگان کا بھی اپنی گنجائش کے مطابق تکفل کرتے، اور دوسروں کو مائل کرتے، ان کے پاس حاجت مندوں کی ایک فہرست ہوا کرتی تھی۔

حضرت مولانا سے تعلق کو اگر خود مولانا معین اللہ صاحب بتانا چاہتے تو شاید یہ شعر ان کی صحیح ترجمانی کرتا ہے

اُتانی ھواھا قبل اَن اعرف الھوی
فصادف قلبًا خالیًا فتمکّنا

(اس کی محبت اس وقت مجھے حاصل ہوئی جب مجھے معلوم بھی نہیں تھا کہ محبت کا کیا مفہوم ہے۔ ہاں اتنا ہوا کہ ایک دلکش نے خالی جگہ پاکر اس پر قبضہ جمالیا۔)

یہ ایک شاعرانہ حسن بیان ہے مگر اس وقت ان سطور کے لکھتے وقت مجھے یوں یاد آیا کہ مولانا معین اللہ صاحب علیہ الرحمہ حضرت کے دامن سے اس وقت وابستہ ہوئے جب ان کی عمر ۲۰ سال سے کم تھی، اور اس وقت تک یہ تعلق پوری قوت و شدت کے ساتھ قائم رہا جب کہ انھوں نے اپنی زندگی کی آخری سانس لی۔ یہ تعلق محض اللہ کی دین اور بزرگوں کی مقبول دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

مولانا معین اللہ صاحب کی ذہانت ان کو

راہ دکھاتی تھی کہ حضرت کی فکر و منشا کیا ہے اور کیا فکر ہونا چاہئے مثلاً حضرت کی قیام گاہ پر حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مکان کی زمین پر ایک مدرسہ تحفیظ القرآن کا بنانا۔ ایک مدرسہ حضرت مولانا کے مکان سے ذرا فاصلہ پر قائم کرنا۔ ایک مدرسہ تیندوا (امین نگر) میں قائم کرنا اور ان میں سے ہر مدرسہ کو حضرت مولانا کے افراد خاندان کے سپرد کرنا کیونکہ وہی دل سوزی اور جگر کاوی سے ان کو چلا سکیں گے اور صحیح نہج پر قائم رکھ سکیں گے، پھر بہتر نتائج دیکھ کر اور یہ اندازہ کرکے کہ دینی مدارس پورے علاقے کے لئے خیر و برکت کا سبب ہوں گے اور دعوت دین کا ماحول پیدا کریں گے۔ جابجا مدرسے قائم کرنے کی کوشش کرنا، یہ سب مولانا معین اللہ صاحب کے اعمال حسنہ کی تعبیریں ہیں۔ جو میزان آخرت میں ان کے حسنات کے پلڑے کو وزنی بنائیں گے۔

حضرت مولانا دامت برکاتہم خالص لکھنے پڑھنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، ان کی ذہانت، دور اندیشی، فکرمندی کا میدان صرف دین اور اس کا فروغ ہے، اور اپنی بساط بھر۔ جو الحمدللہ وسیع ترین بساط ہے۔ یہی کام کرتے رہے اور اسی میں آپ کا دماغ چلتا ہے۔ مادی انتظامات، مہمانوں کے لئے مکان بنانا، اپنے لئے صحت بخش قیام گاہ تعمیر کرانا، یہ سب آپ کے حساب سے خارج باتیں ہیں، مگر مولانا معین اللہ کی دور اندیشی اس رخ پر بھی کام کرتی رہی۔ حضرت ہی کے بینوں سے جو کتابوں کی رائلٹی وغیرہ حاصل ہوئے مولانا معین اللہ صاحب نے حضرت کے بنگلہ (جو صرف ایک کمرہ پر مشتمل تھا) کے گرد متعدد کمرے بنائے، اوپر کی منزل بنوائی، وہاں کے لئے ضرورت کے مطابق فرش اور تخت کا انتظام کیا، اور فکرمندی کے ساتھ اپنی عملی صلاحیت کو بروئے کار لائے۔ اسی طرح طلبا اور نوجوان اساتذہ کو حضرت سے براہ راست فیض یاب ہونے کے مواقع فراہم کرتے رہے۔ ان کی ہر تجویز حضرت مولانا کی خواہش کے مطابق ہوا کرتی تھی، اور بغیر خواہش کئے ہوئے، یا اشارے دیئے ہوئے ایسے کام کرتے تھے، جس سے طلبہ کو زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو اور ان کے اندر دینی حمیت پیدا ہو، بظاہر یہ سب کام حضرت مولانا کی خوشی و رضامندی کے لئے کرتے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضامندی و خوشنودی تھا، حضرت مولانا مدظلہ نے بھی ان کو اپنے فرد خاندان کی طرح عزیز رکھا، ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ میں متعدد مرتبہ حضرت مولانا نے اپنی رپورٹ میں تحریر فرمایا کہ دارالعلوم کی خدمت اور اس کو ترقی دینے میں ڈوبی معین اللہ صاحب کی رفاقت اور ہمت کا بڑا دخل ہے۔ ایک رپورٹ میں تحریر فرمایا کہ میرے علم میں ندوہ کی عہد قریب کی تاریخ میں کسی سے ندوہ کو اتنا فیض نہیں پہونچا جس قدر مولوی معین اللہ نے پہونچایا ہے، حضرت کا مزاج قدر دانی اور شکر گذاری میں عام سطح بہت بلند ہے، اس لئے مولانا معین اللہ صاحب مرحوم کی خدمت کا اعتراف بہت بلند الفاظ میں حضرت نے بارہا کیا ہے، دارالعلوم کے محاذ میں مولانا معین اللہ کو حضرت کا، مجلس انتظامیہ کا اور حضرت کے قریبی خدام کا پورا تعاون و اعتماد حاصل تھا۔ اس تعلق کو دیکھنے کے بعد جو مولانا معین اللہ صاحب کو حضرت سے، اور حضرت کو مولانا معین اللہ سے تھا، یہ صاف نظر آتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے انتظامات تھے، اور سنت الٰہی یہی ہے کہ اہل اللہ کو ایسے قوت و بازو (من یشد ازرہ) عطا ہوا کرتے ہیں۔

آج مولانا معین اللہ ہم میں نہیں ہیں، لیکن ان کے خدمت کے آثار دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اس کی شاخوں میں، تحفیظ القرآن کے مکاتب میں نظر آرہے ہیں، اور نظر آتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ مولانا معین اللہ صاحب مرحوم کے درجات بلند فرماتا رہے۔

مرحوم کے حسنات میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مولانا نے یہ دیکھا کہ ان کا اپنا علاقہ دینی مدارس سے خالی تو نہیں ہے، لیکن اتنے طاقت ور مراکز وہاں نہیں ہیں، جو بدعات کے پھیلاؤ کو روک سکیں، پورا علاقہ دین سے بیگانہ افراد، اور بدعات میں مبتلا لوگوں کی اکثریت کا ہے۔ مولانا نے اسی جذبہ سے اندور میں ایک درسگاہ قائم کی، اور اپنے خاندان کی آبائی زمین اجمیرہ میں ایک مکتب کی داغ بیل ڈالی، اور اس علاقے کے دوسرے مدارس کے بڑھنے اور پھیلنے کی تمنا رکھتے تھے، اور جب استطاعت ان کا تعاون کرتے رہے، دنیا جو مزرع آخرت ہے اس میں اپنی جسمانی و عقلی وسعت کے مطابق زندگی بھر کام کرتے رہے، جب تک قویٰ نے ساتھ دیا، اور چلنے پھرنے کی صلاحیت رہی، وہ دین ہی کے لئے چلتے پھرتے رہے۔ وہ زندگی بھر محنت کرتے رہے اور آخر میں تھک کر چور ہوگئے، بیماریوں سے سابقہ برسہابرس سے تھا اور ہومیوپیتھک کی دوائیں کھا کھا کر اپنے آپ کو سنبھالے رہتے تھے۔ میں کہا کرتا تھا مولانا معین اللہ صاحب نکس ایکوانٹ برانڈیا کھا کھا کر مجاہدات کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ وہ حضرت مولانا مدظلہ کے ساتھ بمبئی کے سفر میں شریک تھے اور اکثر بمبئی کے زمانہ قیام میں حضرت کے ساتھ مولانا معین اللہ صاحب بھی رہا کرتے تھے ایک پارسی ڈاکٹر نے حضرت مولانا کا معائنہ کرکے کچھ دوائیں دی تھیں وہ مولانا معین اللہ صاحب کو ڈپٹی مولانا کہا کرتا ہے اس نے میرے سامنے کہا کہ "ڈپٹی مولانا کا اعصاب کب سے خراب ہے مگر اپنی روحانی طاقت پر چلتا ہے" (مفہوم یہی تھا الفاظ کچھ انگریزی کے تھے اور کچھ اردو کے)۔

مولانا معین اللہ صاحب ندوی کے انتقال پر تعزیتی جلسے

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نائب ناظم مولانا معین اللہ صاحب ندوی کے سانحہ ارتحال پر مدرسہ سید احمد شہید تحفیظ القرآن، مدرسہ ضیاء العلوم نیدانپور رائے بریلی، مدرسہ فلاح المسلمین تیندوا رائے بریلی مدرسہ نور الاسلام کنڈہ پرتاپ گڑھ، مدرسہ اسلامیہ معین الاسلام بلہرہ بارہ بنکی، مدرسہ عثمانیہ ضیاء العلوم شیرابور محمود آباد کے علاوہ ندوۃ العلماء کے بہت سے ملحقہ مدارس، اور ملی قومی اداروں میں تعزیتی جلسے ہوئے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کا اہتمام کیا گیا۔ اور مولانا مرحوم کی دینی علمی اور اصلاحی خدمات کو یاد کیا گیا۔

مولانا کے انتقال سے ندوۃ العلماء اور اس کے ملحقہ مدارس کے ذمہ داروں کو بہت افسوس ہوا انھوں نے مولانا کی وفات کو ایک بہت بڑا سانحہ قرار دیا، مولانا کے انتقال پر تعزیتی تقریر کرتے ہوئے مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی کے استاذ مولوی محمود حسنی ندوی نے افسوس بھرے لہجہ میں کہا کہ مدرسہ ضیاء العلوم کے قیام کے سلسلہ میں انھوں نے بڑی جد وجہد کی، یہاں جو کچھ بڑھا پڑھایا جارہا ہے اور یہاں جو کچھ خیر کا کام ہورہا ہے بہ سب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کے زیر سایہ مولانا معین اللہ صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں اور فکر و درد کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے درجات کو بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

سب سے بڑھ کر یہ کمال دیکھا کہ جب ان کے کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور کروٹ لینا مشکل تھا اس وقت بھی فرض نماز کھڑے ہوکر پڑھا کرتے تھے۔ وہ رخصت کے بجائے عزیمت پر عمل کرتے تھے۔ زندگی کے آخری تین سال بڑے کرب واذیت میں گزرے، اضطراری مجاہدات نے انشاء اللہ کفارہ نامہ کا کام کیا ہوگا۔"

اللہ تعالیٰ مغفرت نامہ سے نوازے، ان کے زندگی مجاہدات کا مجموعہ تھی آج ان کے ثمرات وہ دیکھ رہے ہوں گے اور ان کی روح ندا دے رہی ہوگی۔

يَالَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ (یٰسٓ ۲۷)

کاش کہ میری قوم کو معلوم ہوجاتا کہ میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھ کو عزت داروں میں شامل کرلیا۔

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی
ایک شاہکار پیشکش
اُمّتِ مُسلمہ
رہبر اور شمالی اُمت
از: ——— سید محمد رابع حسنی ندوی
صفحات ۲۰۶ سائز ۱۸×۲۲ قیمت ۱۰۰ روپے
عمدہ کاغذ خوبصورت طباعت مجلد
ملنے کا پتہ: ندوی بک ڈپو۔ ندوہ لکھنؤ

پندرہ روزہ تعمیر حیات
ایک تحریک ہے، اس کی
توسیع اشاعت میں حصہ لیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی
کی سرپرستی میں
مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء کا سہ ماہی
انگریزی مجلہ
The Fragrance of East
"فریگرینس آف ایسٹ"
الحمد للہ پابندی سے شائع ہو رہا ہے۔
اہل قلم حضرات سے تعاون کی اپیل ہے۔ اپنے مضامین ایڈیٹر فریگرینس کو بھیجنے کی زحمت فرمائیں اور اس مجلہ کو زیادہ سے زیادہ اہل علم حضرات تک پہونچانے میں تعاون فرمائیں
زر سالانہ مبلغ ۱۵۰/- مندرجہ ذیل پتے پر بھیجیں
پتہ
دفتر فریگرینس آف ایسٹ، دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء، ٹیگور مارگ لکھنؤ ۲۲۶۰۰۷

ایک ہوجائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں

● تحریر:۔ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ——— ترجمہ:۔ مطیع الرحمن عوف ندوی

مسلمانوں کو اس بات پر شکر کرنا چاہئے اور قدر ہونا چاہئے کہ وہ باہم محبت و تعاون کے سلسلہ میں دوسری تمام قوموں کے مقابلہ میں امتیازی شان رکھتے ہیں اور کوشش کرنا چاہئے کہ ان کی یہ صفت ان میں پوری طرح عمل پیرا ہو، اللہ تعالیٰ نے ان کو جس اخوت و بھائی چارہ کا حکم دیا ہے اس کا یہ تقاضا ہے کہ وہ اپنے ہر اجتماعی معاملہ میں متحد اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جایا کریں خواہ ان کے افراد ایک دوسرے سے فاصلہ پر اور دور دراز علاقوں میں ہی کیوں نہ رہتے ہوں، مسلمانوں کے اپنی اس خصوصیت پر کچھ نہ کچھ عمل کرنے کا ہی نتیجہ ہے کہ چاہے مشرق کے کسی حصہ میں کوئی حادثہ ہو یا مغرب میں، عالم اسلام کے کونے کونے سے اس کے سلسلہ میں آواز سنی جاسکتی ہے اور ساری دنیا کے مسلمانوں کے دلوں پر اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے اور وہ صرف اپنے تاثر کا اظہار کرکے ہی خاموش نہیں ہوجاتے بلکہ جس حد تک ان سے ہوپاتا ہے تعاون و ہمدردی اور محبت و غمخواری کا رویہ برتتے ہیں، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نظر آنے والی حقیقت..... بن جاتا ہے کہ "مسلمان آپس میں ایک عمارت کی طرح ہیں جس کی ایک ایک اینٹ ایک دوسرے کو مضبوطی عطا کرتی ہے اور وہ ایک جسم کے مانند ہیں کہ اس کے کسی حصہ میں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو پورا بدن اس کا اثر محسوس کرتا ہے" لیکن مسلمان اس جذبہ کو عمل میں لانے میں غفلت سے کام لینے لگے ہیں، ماضی میں بھی انھوں نے اس میں کمی کی تھی، اگر ان سے یہ غفلت نہ ہوئی ہوتی تو اندلس میں جو کچھ پیش آیا وہ نہ ہوتا جبکہ اس وقت ان کے دیگر کئی ملکوں میں ان کی حکمرانی تھی اور دنیا کے کھلے حصوں میں ان کا جاہ و جلال اور شان و شکوہ تھا۔

دنیائے اسلام کے مختلف علاقوں میں مسلمانوں کی حالت ان کے دور غلامی سے ابھی بہتر نہیں ہے، دشمنانِ اسلام آج بھی اپنی فکری اور ثقافتی یلغار کے ذریعہ مسلمانوں کو نشانہ بنائے ہوئے ہیں اور وہ مسلمانوں کے ملی تشخص اور ان کی شناخت کو مٹانے پر تلے ہوئے ہیں، معاندین اسلام مسلمانوں سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ ثقافت و ادب اور مذہبی اقدار میں اسلامی زندگی سے منہ موڑ لیں اور اپنے علاقوں کو غیروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں۔ وہ اگر اس تبدیلی کے لئے تیار نہیں تو ان کو سختی اور زور دستی کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور انکار کی قیمت ظلم و تشدد کو برداشت کرنے کی صورت میں دینا ہوگی۔

دشمنوں کی یہ کوشش سامراجی اقتدار کے وقت ہی سے چل رہی ہے لیکن یہ محض اسلام کا اعجاز ہے جو ایک عالمگیر اور پایدار مذہب ہے کہ ہر طوفان و حادثہ کے سامنے اسلامی جذبہ پہاڑ کی طرح ان کے دلوں میں پائیدار ثابت ہوا ہے اور انھوں نے ہر مصیبت کے وقت صبر سے کام لیا اور خدا ہی سے لو لگائی، اور جوں ہی ظلم کے بادل چھٹے اسلامی روح جلوہ گر ہوگئی جیسا کہ سوویت یونین کی مسلم ریاستوں میں ایک طویل ظالمانہ و جابرانہ سلسلہ کے باوجود اسلامی روح آشکارا ہوکر رہی، مسلمان ہمیشہ قابل قدر حد تک اپنے مذہب کے لئے مخلص، اس پر قائم رہنے والے اور اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے سامنے سر جھکا دینے والے رہے ہیں، اور ہمیشہ ہی انھوں نے نہایت قدیمی اور مذہب سے وابستگی کا ثبوت دیا ہے خواہ وہ بہت نمایاں طریقے سے یہ نہ کرسکے ہوں لیکن جب بھی ناسازگار صورت حال پیش آئی مسلمانوں نے اپنے حوصلہ و ہمت کا اظہار کیا ان کی تازہ مثال بوسنیا، چیچنیا اور کوسوو کی سامنے آئی۔ دشمنوں کے سامنے انھوں نے اپنی عزیمت کو ثابت کیا اور دوسرے ملکوں کے ان کے ہمدرد لوگوں نے ان کے ساتھ قابل تعریف ہمدردی کی ان کے دکھ درد کو محسوس کیا اور جس حد تک ہوسکا ان کی مالی امداد کی، اس اخوت کے جذبہ نے ان کو لگ بھگ پہونچائی اور ان کے عزم و حوصلہ کو ہمیشہ دی جس سے ان کے حوصلے بلند ہوتے گئے اور وہ دشمن کے فتنوں اور مشکلات سے نبرد آزما ہوتے گئے اور اس طرح اپنے کازوں کے ذریعہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک ڈھال ثابت ہوئے

ہم کو صاف طریقہ سے یہ نظر آتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جن لوگوں کو مادی وسائل سے نوازا ہے وہ دعوت کے جذبہ کی خاطر ان سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں اور یورپی ملکوں سے اسلام مخالف کوششوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور افریقہ و ایشیا میں اپنے نادار مسلمان بھائیوں کے فقر و جہالت کو دور کرنے اور سامراجی استبداد کو ختم کرنے کی سعی کرتے ہیں، چنانچہ اسلامی بیداری کو فروغ دینے میں ان سرگرمیوں کا بڑا اہم کردار ہے۔

مسلمانوں نے اپنی اس ذمہ داری کو بڑی

حد تک انجام دیا اور اس طرح دنیا میں پھیلی ہوئی امت مسلمہ متحد ہوئی، اسی کے ساتھ سارے جہاں کے مسلمانوں کے مسائل ومشکلات کو حل کرنے میں بھی اس سے مدد ملی۔ الحمدللہ فلسطین، افغانستان، ارٹیریا، صومالیہ، فلپائن وغیرہ میں مسلمانوں کا اتحاد و جذبہ اخوت ان کے لئے طاقت وقوت کی فراہمی اور مسائل ومشکلات کے سامنے سینہ سپر ہونے کا سبب بنا۔

اسی اخوت اسلامی کے جذبہ کی بنا پر تعاون وامداد دنیے میں۔ عرب اور خاص طور سے خلیج کے مسلمانوں کا بڑا حصہ رہا ہے انھوں نے اپنی اس ذمہ داری کو بڑی خوبی کے ساتھ نبھایا اور اس کے ذریعہ انھوں نے ایک بہترین مثال پیش کی ایک اس تعاون کے ذریعہ بہت سے مظلوم مسلمانوں نے اپنے حقوق کی بازیابی اور اپنے تشخص کی حفاظت کا سامان بہم پہونچایا خاص کر اس وقت جب دشمن پوری طاقت وقوت کے ساتھ سرگرم تھا۔

اسلامی تقاضوں کو محسوس کرنے کے یہ اثرات مسلمانوں کے اندر جگہ جگہ دیکھے جاسکتے ہیں خاص طور سے ان کے ایمان وعزیمت کے حامل نوجوانوں اور تعلیم یافتہ طبقہ کے اندر جو اپنے تمام امور کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف رخ کرتے ہیں اور اسی سے ہدایت ورہنمائی طلب کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کو اپنے لئے اصل اسوہ سمجھتے ہیں اور اسی کے نور سے روشنی حاصل کرتے ہیں اسی طرح وہ فکر اسلامی کی حامل عظیم ہستیوں کی زندگیوں سے بھی رشد وہدایت کی روشنی حاصل کرتے ہیں اور اپنے اسلامی جذبہ کو فروغ دینے اور دینی غذا کو حاصل کرنے کے لئے ان سے کسب فیض کرتے ہیں۔ دوسری طرف مغرب کا مسلط کردہ فکری انحراف بھی ان پر اثر انداز ہونا چاہتا ہے جسے مغرب کی اسلام دشمن طاقتیں کمزور ایمان رکھنے والے غافل مسلمانوں کے ذریعہ مسلمان تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ کے اندر پیوست کرنا چاہتی ہیں وہ اسلام کی پاک شہرت اور اس کے تشخص کو مٹا دینا چاہتی ہیں اس کے آگے بھی تعلیم یافتہ مسلمان نوجوانوں کے دلوں میں اس کا ردعمل پایا جاتا ہے جو مسلمانوں کے درمیان اسلامی بیداری کی راہ کو ہموار کرتا ہے۔ اگر مسلمانوں کا باہم اتحاد واتفاق بڑھ جائے تو یہ عالم اسلام میں بڑی تبدیلی اور خیر وفلاح کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتا ہے اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ بہت سے مسلمان بعض سامراجی اور ظالمانہ اقتدار کی وجہ سے سخت زبوں حالی کے شکار ہیں اور ان کے دشمن ان کی جانوں کو نہیں بلکہ ان کی مذہبی روح کو ہدف بنا رہے ہیں یہ ان ملکوں میں اسلامی تشخص کو ختم کردینا چاہتے ہیں، یہ ایک بڑا خطرہ ہے جس کا مقابلہ کرنا اشد ضروری ہے۔ مسلمانوں کے سامنے اس کے مقابلے کے لئے دو محاذ ہیں۔ ایک ادبی اور علمی وسائل کے ذریعہ دینی انحراف اور فکری بے راہ روی کا مقابلہ کرنا۔ دوسرے مسلمانوں کے اندر ان کی ایمانی اور فکر اسلامی کی اقدار کو راسخ کرنے کی کوشش کرنا۔ اس طرح اسلامی فکر وتہذیب کے ورثہ وتاریخ پر مسلمانوں کے اندر فخر واعتماد پیدا کرنا ہوگا تاکہ اس طرح تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے اسلامی وابستگی کو فروغ دیا جاسکے اور دشمنوں کی جانب سے ادبی اور فکری یلغار کا مقابلہ کیا جاسکے۔

حالات حاضرہ کو دیکھتے ہوئے یہ بات صاف محسوس ہوتی ہے کہ اسلامی دفاعی طاقت دشمن کے مقابلہ میں بہت کم ہے لہذا جب تک تمام اسلامی طاقتیں متحد وہم آہنگ نہ ہوں گی اس وقت تک مسلمان اپنے مخالف خطرات ومشکلات پر صحیح طور پر قابو نہ پاسکیں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ وہ ایک ہو جائیں ؎

ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا بنتے

ندوۃ العلماء لکھنؤ

ضرورت محصلین

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے لئے محصلین کی ضرورت ہے، جو ملک میں فراہمی مالیات کی خدمت انجام دے سکیں۔

درخواست میں اپنا پورا نام مع ولدیت/تاریخ پیدائش/مکمل پتہ/تعلیمی لیاقت تحریر کریں، اگر کسی ادارہ کے لئے کام کرچکے ہوں تو اس کی وضاحت ضروری ہے۔

نوٹ:۔ درخواست مندرجہ ذیل پتہ پر ارسال کی جائے۔

ناظم ندوۃ العلماء
دفتر نظامت پوسٹ بکس ۹۳ لکھنؤ (یو۔پی)

محمد حمزہ حسنی
ناظر عام

فون نمبر: 382681

حضرت مولانا قاضی معین اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

از: ● پروفیسر وصی احمد صدیقی

یہ چند سطریں جو مولانا مرحوم کے لئے اس حقیر لکھنے والے کا اظہار عقیدت ہے اس اقرار کے ساتھ لکھی جارہی ہیں کہ مولانا سے اُس کی شناسائی گو بہت پرانی ہے مگر گہرے تعلق کا رشتہ مہینہ اور سال کے حساب سے مختصر ہے۔ اور گو وہ ان کو سلام کرنے کے لئے ان کے باہری کمرے میں بہت داخل ہوا مگر داخلی احساسات کے کمرے میں جگہ ڈھونڈھنے کی کوشش نہیں کی۔ فروغ تجلی بسوزد پرم کی احتیاط پر ہمیشہ کاربند رہا۔

ندوہ اُن کے خوابوں کی تعبیر اُن کے جدوجہد کا مرکز۔ اُن کی شخصیت کا پرتو تھا۔ جب تک طاقت نے جسم کو بالکل چھوڑ نہیں دیا اس کی خدمت میں لگے رہے۔ اور جب اپنے وطن سدھارے تو ہر چند پیرِ خستہ دل ذاتواں تھے لیکن اپنے مدرسہ کے لئے دعائے خیر کرتے رہے۔ ہر آئندہ وندے حال پوچھتے رہے۔ نجد اور اہل نجد کو سلام بھیجتے رہے۔ مولانا ہمارے درمیان نہیں ہے لیکن جب تک ندوہ قائم ہے اور خدا کرے تاقیامت قائم رہے ان کا نام اور کام قائم رہے گا ؎

مرگِ مجنوں پر عقل گم ہے میر
کیا دیوانے نے موت پائی ہے

فرزانگی کی انتہا دیوانگی پر ہوتی ہے۔ جب ایک مخلص انسان اپنی ساری ذہانتوں کو صرف ایک مقصد کے لئے وقف کردیتا ہے۔ اور بقول مولانا روم سوائے مشق نام لیلیٰ کے اور کسی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے تو پھر وہ دیوانہ کہلاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے دیوانہ جس کے لئے وہ جیتا ہے۔ مولانا کی زندگی کا مقصد ندوہ کا فروغ تھا۔ اس میں وہ کامیاب ہے اور گو کام لامتناہی تھا مگر اپنے حصہ کا کر کے انتہائی اطمینان سے ایک صبح اپنے رب کی طرف لوٹ گئے۔ بالکل راضی وخوشی۔

مولانا کے کارناموں کا پیمانہ وہ عالی شان عمارتیں نہیں ہیں جو ان کی نگرانی میں بنیں جن سے ندوہ مزین ہے اور جن کو دیکھ کر ہر ندوہ سے محبت کرنے والے کا دل فخر اور محبت سے بھر جاتا ہے۔ ان کا کارنامہ وہ جذبہ ہے جو ان کی تعمیر کا محرک ہوا۔ معہد قرآن کریم کے لئے بنا یہ بلند وبالا عمارت اُن طلباء سے رونق پاتی ہے جو جھوم جھوم کر قرآن حفظ کرتے ہیں۔ اس ایک عمارت کا میں نے بطور مثال ذکر کیا ہے۔ ورنہ ساری عمارتوں کی بنیاد ہی اخلاص اور تقویٰ پر ہے مولانا عقل اور عشق کا ایک خوبصورت امتزاج تھے اور اس شعر کے پوری طرح مصداق ؎

زیرکی از عشق گردد حق شناس
کارِ عشق از زیرکی محکم اساس

میں ان کے اس بے مثال رفاقت کا ذکر نہیں کروں گا جو حضرت مولانا علی میاں دامت برکاتہم سے ان کی رہی ہے۔ اس کا ذکر تو حضرت مولانا نے خود اس تقریر میں کیا ہے جو انھوں نے اثر گریہ میں ندوہ کی مسجد میں کی ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء اور امیر خسرو کے تعلق کو یہ فضیلی کیا بیان کرے گا۔ یہ شرف تو ان کا ہے جو ان کے بہت قریب تھے۔ جیسے مولانا عبداللہ عباس یا مولانا محمد رابع حسنی ندوی صاحبان۔ یہ حضرات حضرت مولانا کے تقریر کے اجمال کی قرار واقعی تفصیل بیان کرسکتے ہیں۔ میں تو نہر دوفا کی وہ حکایت بیان کروں گا جس سے میں پابستہ ہوں۔

مولانا کی نگاہ التفات میرے اوپر اُس وقت پڑی جب وہ ندوہ کی مسجد میں اوروسعت پیدا کررہے تھے، اور مسجد بقول میرے والد مرحوم کے میرے گھر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ یہ مسجد جس کے در وبام پر وادیٔ ایمن کا نور ہے، نمازیوں کے لئے تنگ پڑ رہی تھی۔ مولانا فن عمارت سازی کے ماہرین میں تھے۔ مسجد کو آگے بڑھانے کا کام نازک تھا۔ مولانا خود کوزہ وخود کوزہ گر وخود گل کوزہ بن گئے۔ گھڑی ہوئی بنیادوں اور مٹی کے ڈھیروں کے قریب ایک بانس کی چارپائی پڑی رہتی تھی مولانا اُس پر بیٹھے کام کرنے کا طریقہ بتاتے رہے اور کام کی نگرانی کرتے رہے۔ بڑے بڑے ماہر فن ان کے سامنے "رکھ کے تیشہ کہے ہیں یا استاد" پر عامل تھے۔ چھٹیوں میں میں گھر آیا ہوا تھا۔ باہر نکلتے ہی مولانا کا سامنا پڑتا۔ اور سلام کے بعد تھوڑی دیر ان کے پاس بیٹھ جاتا۔ یہ قرب آنے کا ذریعہ ہوا۔ قرب بیٹھنے کا وقت بڑھتا گیا۔ اور اُسی حساب سے التفات بھی۔ اُن کی چائے میں بھی شریک ہونے لگا۔ ایک دن جب میں کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا۔ دیر میں حاضری ہوئی فرمایا کہاں تھے۔ تمہارا انتظار تھا۔ ابھی تک چائے نہیں پی ہے۔ حمیدیاں کو بلایا اور چائے منگائی۔ اس لطف خاص پر میں دنگ رہ گیا اس نتیجہ پر آیا کہ شاید ہمیشہ سے پرسش تھی گو بائے سخن دریاں میں نہ تھا۔

مولانا سے بے تکلف ہونے کی نہ میری عمر تھی نہ میری ہمت مگر مولانا کی بارگاہ میں اتنی رسائی میری خواہش کے عین مطابق تھی۔ کبھی کبھی ندوہ کے مالی حالات۔ تعلیم اور انتظامی امور پر گفتگو کرنے لگتے مگر بہت سرسری۔ بالکل اندازہ نہ تھا کہ ایک وقت ایسا آئیگا۔ جب ان امور سے اپنا بھی تعلق ہوگا۔ اور ندوہ کے معتمدوں میں شمار ہوگا۔

جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے کہ مٹی، بالو، سیمنٹ اور سریا کے درمیان مولانا ایسے اطمینان سے بیٹھے ہوتے جیسے زندگی اس میں گزری ہو۔ جب بنیادیں کھد گئیں اور مسالہ ڈالنے کا وقت آیا تو حضرت مولانا سے درخواست کی گئی کہ اپنے دستِ مبارک سے اس کو شروع کریں۔ مہمان خانہ متصل تھا۔ حضرت مولانا تشریف لائے۔ میرے اوپر نظر پڑی۔ کچھ مہربانی کے کلمات کہے۔ مولانا معین اللہ صاحب نے فرمایا کہ انھوں نے بڑا کام کیا ہے۔ حضرت مولانا نے اس کی تفصیل جاننی چاہی۔ مولانا کسی دوسرے موضوع پر بات کرنے لگے۔ اور اس سوال کو ٹال گئے

مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک مرتبہ جب وہ چارپائی پر بیٹھے تھے تو ایک چھوٹا سا لڑکا قریب آیا اس سے کہا جاؤ مہمان خانہ سے تکیہ لے آؤ۔ مولانا کی مراد گول تکیہ سے تھی جس سے وہ ٹیک لگا کر بیٹھتے تھے۔ وہ سرہانے کی تکیہ لے آیا۔ مولانا بہت ہنسے اور دوبارہ اُسے بھیجا۔ بتایا کہ یہ محمد میاں مرحوم کا بیٹا ہے۔ اکدم محمد میاں کی شبیہہ سامنے آگئی وہ عبقری جو دنیا میں بہت کم دن رہنے کے لئے آئے تھے آج یہ لڑکا علوم دین کا ماہر ہے اور باپ کی ساری ذہانت اور فطانت اپنے جلو میں لئے ہوئے اپنے شاگردوں کے لئے علم کی شمع جلائے ہے۔ یہ چند دن تھے جو مجھے ان کے قریب لے آئے۔ مجھے پتہ چلا کہ وہ کیسا گداز دل رکھتے تھے کتنے حساس تھے۔ کتنے ذکی تھے اور اپنے چھوٹوں پر کیسی شفقت کی نگاہ رکھتے تھے۔

مولانا مرحوم کا یہ غیر معمولی وصف تھا کہ اپنی ساری عظمت کے باوجود مخاطب کے اوپر ہیبت نہیں طاری ہونے دیتے تھے۔ یہ شعوری بات نہ تھی یہ ان کا مزاج تھا۔ اقبال نے مردِ مومن کی صفت بیان کی ہے "نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو"۔ یہ بیان پوری طرح اُن پر صادق تھا۔ ہر حلقہ کے لوگ، ہر مکتبِ فکر کے لوگ ان سے مشورہ لینے یا ان سے مدد مانگنے آتے تھے۔ کوئی صاحب اور دربان نہ تھا۔ اور مجھے یقین ہے کہ جب تک ضرورت مندی میں کھوٹ نہ ہو کوئی مانگنے والا نامراد نہیں جاتا تھا۔ یہ میرے بعد کے تجربات ہیں۔

چھٹیاں ختم ہوگئیں۔ واپس جانے کے دن آگئے مولانا سے عرض کیا کہ یہ خادم جا رہا ہے۔ انھوں نے ہاتھ ملایا اور رخصت کیا۔ کوئی ایسی بات نہیں کہی جو جذباتی ہو۔ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

گھر پر آمد و رفت جاری تھی والد مرحوم حیات تھے اور گھر آباد تھا۔ ظاہر ہے مولانا کے پاس ملاقات کے لئے پہنچتا تھا۔ میرا حال پوچھتے تھے۔ بچوں کی تعلیم پر بات کرتے تھے۔ کالج کیسا چل رہا ہے اور کیسی گذر رہی ہے۔ پوری توجہ سے بات کرتے تھے اور خوشی کا اظہار کرتے تھے۔ یہ معمولات جاری تھے کہ والد کے انتقال کا سانحہ ہوا۔ عجیب کیفیت تھی ان کے انتقال کے وقت ہم چاروں بھائی اپنے اپنے کام سے لگے تھے۔ ملازمتیں ایسی تھیں جن پر اللہ کا شکر دل کی گہرائیوں سے نکلتا تھا۔ بہنوں کی شادی ہو چکی تھی۔ اور سب اپنے قدردان شوہروں کے ساتھ تھیں کوئی ایسی وراثت نہ تھی جس کے انتظام میں خلل آیا ہو۔ غرض کوئی مادی ضرورت ایسی نہ تھی جو ان سے وابستہ ہو۔ مگر ایسا لگتا تھا کہ آسمان سر سے ہٹ گیا۔

مولانا مرحوم اس زمانہ میں وطن گئے ہوئے تھے۔ اور حضرت مولانا بھی باہر تھے، یہ لوگ آئے۔ جس طرح انھوں نے گلے سے لگایا اُس سے یہ احساس ہوا کہ والد کا سایہ سر سے نہیں اٹھا ہے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات عالی کرے اور حضرت مولانا کا سایہ امتِ مسلمہ کے سر پر قائم رکھے ہر دو حضرات کی نرم نگاہی اور شفقت آج بھی دل کو مسرت سے بھر دیتی ہے۔

اب گھر آنا ختم ہوگیا۔ مرکز ثقل ہی ختم ہوگیا تھا۔ میاں ایوب عرف منا گھر کے پہریدار کر دیئے گئے۔

ایک برس بھی نہیں گذرا تھا کہ کالج کی پرنسپلی پیش کی گئی۔ یہ ایک بڑا کالج تھا پوسٹ گریجویٹ، اس سے ملازمت شروع کی تھی اور ساری زندگی یہیں گزری تھی۔ اس کی پرنسپلی بڑا اعزاز تھا۔ مگر آج کل جو طلباء کی بدنظمی ہے اُس حساب سے میر کے احتیاط کی تلقین "دونوں ہاتھوں سے تھامئے دستار" پیش نظر تھی۔ کچھ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ آخر حضرت مولانا اور مولانا مرحوم کو خط لکھکر ہدایت چاہی ہر دو حضرات نے یکساں جواب دیا۔ فیصلہ تو حالات کو دیکھ کر تمہیں کرنا ہے۔ لیکن یہ عہدہ عام طور پر لوگ چھوڑتے نہیں۔ "بس در افگندیم من کشتی و بسم اللہ مجریہا و مرسیہا"۔ یہ ان مبارک ہستیوں کی منظوری کی برکت تھی۔ کہ پورے پرنسپلی کے کیریر میں کسی طوفان سے معاملہ نہیں پڑا۔

اس دوران مہینہ میں ایک بار ندوہ ہوتے ہوئے تکیہ رائے بریلی پر حاضر ہونے کا معمول بنا لیا۔ پڑھنے والوں کی دلچسپی کے خاطر ایک واقعہ لکھتا ہوں کہ رمضان المبارک میں ایک مرتبہ افطار تک رکنے کا موقعہ نہ تھا کیونکہ لکھنؤ میں ایک ضروری کام تھا حضرت مولانا نے کام کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے اصرار نہیں فرمایا لیکن خدام کو حکم دیا کہ ایک بڑے ڈبہ میں افطار کا سامان رکھ دو۔

میں لدا پھندا لکھنؤ بیٹی کے گھر پہنچا۔ داماد انجینئر ہیں اور اس روز ساتھیوں کی افطار کی دعوت کی تھی، میں نے اپنا ڈبہ رکھا اور بتایا کہ حضرت مولانا نے خود اپنے دستِ مبارک سے چند چیزیں اس میں رکھی ہیں۔ گھر کے افطار کا سارا سامان چھوڑ کر سب لوگ اس افطار پر ٹوٹ پڑے گھر والوں کو ایک انگور کا دانہ نہیں ملا۔ ایک انجینئر صاحب تو دو انگور اپنے رومال میں باندھ کر گھر لے گئے۔ ایک بیوی کو دیں گے اور ایک بیٹے کو۔ یہ دلوں پر حکومت کرنے والے مرشدِ کامل ہیں۔ ان کا کون مقابل ہو سکتا ہے یہ بات برسبیل تذکرہ آگئی۔ بات میں بات نکلتی ہے۔

ایک دن بلا سان و گمان ندوہ سے ایک خط ملا کہ آپ کو مجلس انتظامیہ کا رکن چنا گیا ہے اپنی رضامندی سے اطلاع دیں۔ یہاں تو یہ کیفیت ؎

منزل ملی مراد ملی مدعا ملا
سب کچھ ملا مجھے جو تیرا نقشِ پا ملا۔

اپنے ان محبت کرنے والے بزرگوں کی صحت و سلامتی کی دعا کرتا رہا۔ اس وقت تک والد مرحوم کے شاگرد کمیٹی میں موجود تھے کافی معمر اور بڑی نورانی داڑھیوں کے ساتھ ان بزرگوں نے بڑی گرم جوشی برتی۔ کوئی مرشد زادہ کہے، کوئی استاد زادہ۔ میرے وہی احساسات جو امام غزالی کے مدرسہ نظامیہ کے صدر مدرس کے مسند پر بیٹھ کر ہوئے تھے۔ گریہ فرمایا کہ کیسے کیسے بزرگ اور متبحر عالم اس مسند پر بیٹھے ہیں۔ آج یہ وقت آیا کہ مجھ جیسا ناکارہ اس پر بیٹھے۔ امام غزالی کا یہ تواضع اور انکسار تھا۔ مگر میرے لئے تو یہ امر واقعہ تھا۔ یہ ندوی حضرات کافی اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں ہر سال فلاں نہ ماند کی صدا سنتے ہیں۔ اور مجلس میں فاتحہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔

دن و رات ایک معمول سے گزر رہے تھے کہ ایک دن خیال آیا کہ زندگی کی شام تو آگئی اب اپنے آشیانے چلو۔ وقت سے تین برس پہلے ہی ریٹائرمنٹ لیا اور گھر آئے۔ ہوس نے سینے میں چھپ چھپ کر نہ معلوم کتنی تصویریں بنالی تھیں۔ بڑی بیٹی کے گھر علی گڑھ گئے ہوئے تھے کہ ایک شام بغاوتِ دل سے معاملہ پڑا۔ سارے کینوس خالی ہوگئے، کچھ دن بیماری مناتے رہے پھر ٹھیک ہوگئے۔ کوہِ ندا سے صدا آئی یا اخی! سالانہ میٹنگ میں حاضر ہوئے اور معلوم ہوا کہ مالیات کا شعبہ اس بے مایہ کے حوالہ کیا گیا ہے۔ حضرت مولانا کو دیکھا۔ مولانا مرحوم کو دیکھا۔ اپنے دکتور مولانا عبداللہ عباس صاحب کو دیکھا۔ مولانا سید محمد رابع صاحب کو دیکھا اور فوراً اس نتیجہ پر آگیا کہ قرعہ فال انہی حضرات نے اس دیوانہ کے نام کھولا ہے۔

یہ داستانِ امیر حمزہؒ اس لئے سنائی کہ ایک واقعہ کو بیان کرنا ہے۔ ورنہ پڑھنے والوں کا اتنا وقت خراب نہ کرتا۔ سالانہ میٹنگ ہو رہی تھی حضرت مولانا اپنا خطبہ پڑھ رہے تھے۔ اس میں ندوہ کے عہدیداروں کے لئے قدردانی کے کلمات تھے۔ لیکن میرا ذکر نہ تھا۔ حضرت مولانا دوسرے پیراگراف پر بھی نہ آئے ہوں گے کہ مولانا معین اللہ صاحب نے فرمایا کہ آپ وصی احمد صاحب کا ذکر بھول گئے۔ حضرت مولانا نے فوراً ایسے مہربانی کے کلمات کہے جو میرے حوصلہ اور ہمت سے بہت زیادہ بلند تھے۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ اس کو خطبہ میں شامل کیا جائے گا۔ اور تعمیر حیات میں یہ شائع ہوگا۔ آج بھی اس بات سے دل محبت سے بھر جاتا ہے۔ اور سوچتا ہوں کہ زندگی زندہ رہنے کے قابل ہے۔ پھر سے یہ دعائیں دہراؤں گا کہ اللہ مرحوم کو عالی درجات سے نوازے اور حضرت مولانا کی عمر میں برکت دے اور ہمیشہ صحت و سلامتی سے معاملہ رکھے۔

مولانا مرحوم نے ایک دن مجھے بلایا۔ اور فرمایا کہ تمہیں لکھنا آتا ہے۔ پرانے چراغ اور شرقِ اوسط کی ڈائری پر تمہارے مضمون میں نے پڑھے ہیں۔ تم تاریخ دعوت و عزیمت کی تلخیص لکھو۔ حکم کی تعمیل کی خوب جی لگا کر لکھا اور بڑی داد پائی۔ حضرت مولانا کی تصانیف کے بل پر جو شہرت پائی وہ بہت دلچسپ رہی۔

مضمون غیر ضروری طور پر طویل ہوتا جا رہا ہے صفائی میں صرف یہ عرض کرنا ہے ؎

بہ حرفے می تواں گفتن تمنائے جہانے را
من از ذوقِ حضوری طول دادم داستانے را

مولانا معین اللہ صاحب اپنے پیدا کرنے والے کے پاس پہنچ گئے۔ اب یادیں رہ گئی ہیں۔ گذرے ہوئے وقت پر مولانا کے قدموں کے نشان قائم رہیں گے ؎

سرِ خاکِ شہیداں برگہائے لالہ می پاشم

قلمی تعاون

مولانا محب اللہ لاری ندویؒ سابق مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی حیات و خدمات پر ایک کتاب شائع کرنے کا ارادہ ہے، اہل قلم حضرات و ندوی حضرات سے قلمی تعاون کی درخواست ہے، جن حضرات کے پاس مولانا مرحوم کے متعلق کچھ تحریریں یا خطوط ہوں ان کی اصل یا نقل ذیل کے پتہ پر عنایت فرمائیں مہربانی ہوگی۔

پتہ: ڈاکٹر جاوید احمد لاری
کوارٹر نمبر ۶، گلاب پارک، مالیگاؤں
ضلع ناسک: مہاراشٹر ۴۲۳۲۰۳
فون نمبر ——— 0255-434506

کتب برائے تبصرہ

تبصرہ کے لئے براہ کرم کتاب کے دو نسخے ارسال کریں صرف ایک کتاب بھیجنے کی صورت میں تبصرہ شائع نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی کتاب واپس کرنے کی ذمہ داری ادارہ پر ہوگی (ادارہ)

میر مقصود علی خاں کی رحلت

مولانا عبداللہ عباس ندوی

مولانا معین اللہ صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۲۳ اگست ۱۹۹۹ء کو ہوئی اور اس کے ایک ہفتہ بعد روزنامہ "سالار" بنگلور کے جنرل ایڈیٹر جناب میر مقصود علی خاں صاحب ۳۰ اگست ۱۹۹۹ء کو راہی بقا ہوئے۔ میر صاحب عصر حاضر کی دینی و اجتماعی ثقافت کا نمونہ تھے، عثمانیہ یونیورسٹی میں حضرت مولانا عبدالباری ندوی اور حضرت مولانا ناظر احسن گیلانی سے شرف تلمذ حاصل کئے ہوئے تھے۔ ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ کے رکن تھے بڑی بابرکت، علم دوست، حق شناس، خدا ترس، محب و محبوب شخصیت کے مالک تھے۔ حضرت مخدوم و مربی مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کے دست گرفتہ تھے، اور اپنے مرشد سے وہ تعلق رکھتے تھے جس تعلق کے تذکرے کتابوں میں ملتے ہیں، واقعاتی دنیا میں اس کی مثال کم ملے گی۔ ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ کے سالانہ جلسوں میں پابندی سے شرکت فرمایا کرتے تھے، ان کی رائے صائب اور پختہ تجربات کا نتیجہ ہوا کرتی تھی حیدرآباد کی مجلسوں، امراء و رؤسا، کی محفلوں، ربانی اور اہل دل بزرگوں کے حالات و واقعات جوان کے سامنے گزرے، دلچسپی سے بیان کرتے تھے۔

مرحوم سے اس عاجز راقم کے تعلقات بہت پرانے اور قدیم نہیں تھے، مجاز میں ایک عرصہ دراز تک رہنے کی وجہ سے یہاں کے اکثر و بیشتر حضرات کو نہیں جانتا، مجلس انتظامیہ میں موصوف کی شرکت آپس میں ملاقات کا سبب بنی۔ جب قریبی واقفیت ہوئی تو ایسا محسوس ہوا کہ ہم ایک دوسرے کو عرصۂ دراز سے جانتے ہیں، منصف مزاج، تاریخ اسلام پر گہری نظر رکھنے والے ذی علم بزرگ تھے۔ شب بیدار، عبادت گزار، مہمان نواز اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خداشناس اور خدا ترس انسان تھے۔ حضرت مولانا سے ان کی قرب و عقیدت خود اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا قلب پاک و طاہر تھا، صاحب ضمیر بزرگ تھے، اخلاص کی دولت، دل و زبان کی طہارت "ایں دولت مرد ہمی کس راند ہند" کا مصداق ہے، مجھ پر ان کا انتہائی کرم تھا۔ تعمیر حیات میں میرے اداریوں پر تحسین کی نظر ڈالتے اور ہمت افزائی کے خطوط لکھتے۔

میرے ساتھ ایک حادثہ پیش آیا تھا یا پیش آنے سے پہلے ختم ہو گیا۔ اس کی تفصیل میں نے بعض تقاضوں اور بعض مصلحتوں کی بنا پر لکھ کر تعمیر حیات میں چھپوا دی تھی۔ اس کو پڑھ کر مرحوم نے جو خط مجھے لکھا، خدا کرے وہ حسن ظن آخرت میں کام آئے، ان کا آخری خط چند ماہ پہلے آیا تھا، میرے اداریہ "لا اعبد ما تعبدون" کی تحسین فرماتے ہوئے اس کی معقول تحلیل (تجزیہ) کی۔ اور جو میں نے لکھا نہیں تھا صرف اشارہ کیا تھا اس کو نام لے کر واضح کیا۔ اس کے بعد ان کا کوئی مراسلہ مجھے نہیں ملا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ حیدرآباد میں میرے خطبات میں شرکت کے لئے تشریف لائیں گے۔ کیونکہ چند سال پہلے جب جامعہ اسلامیہ عمر آباد میں تقسیم اسناد کی عزت مجھے بخشی گئی، اس جلسہ میں شریک تھے اور فرمایا کہ تمہارا نام سن کر یہ سفر کیا ہے۔ لیکن وہ حیدرآباد نہ آسکے جس کا مجھے قلق تھا۔ مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ بیمار ہیں۔ لکھنؤ آکر ان کو خط لکھا اور خیریت معلوم کی مگر جواب نہیں ملا۔ اب ایک ماہ بعد مکہ مکرمہ سے واپس آیا ہوں تو تعمیر حیات ہی سے ان کی وفات کی خبر ملی۔ اگر مکہ مکرمہ میں ہوتا تو ان کی طرف سے عمرہ کرتا۔ دعائے مغفرت اب بھی کر رہا ہوں اور تازندگی کروں گا۔ رب اغفرلہ وارحمہ وتب علیہ انک انت التواب الرحیم۔

● دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شعبۂ کلیۃ اللغہ کے کارکن ارشاد احمد ندوی کے عم محترم حاجی محمد حنیف صاحب کا ۵ ستمبر ۱۹۹۹ء کو اپنے آبائی وطن پوسٹ املو سبارکپور۔ اعظم گڑھ میں انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

بقیہ: مطالعہ کی میز پر

اخیر میں آزاد نظموں کی شکل میں زوال آمادہ مشرقی تہذیب کے جو منظوم مرقعے پیش کئے ہیں، وہ شعر اور پیکر تراشی کے امتزاج کے عمدہ نمونے ہیں۔

داؤد اشکی کی زبان و بیان کی شیرینی و دلنشینی اور اس کی سلاست و صفائی کے بارے میں کچھ کہنا غیر ضروری ہے کہ جدید لب و لہجے اور نئی شعریات میں ان کی ثقاہت و انفرادیت صاف محسوس کی جاسکتی ہے اور ان کے لہجے کی انفرادیت نمایاں ہو چکی ہے۔ داؤد اشکی نے "شہد" کے ذریعہ فکری شفاد غذا فراہم کی تھی اب اس سے آگے بڑھ کر انھوں نے "موم" کے ذریعے جو مومیائی اور روشنی و توانائی مہیا کی ہے اس کے لئے وہ اردو دنیا کی طرف سے دلی مبارک باد کے بجا طور پر مستحق ہیں۔

محدث عصر مولانا عبدالرشید نعمانی کی رحلت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

۲۹ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ بروز پنجشنبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء حاضر ہوا تو یہ خبر دل و دماغ پر بجلی بن کر گری کہ مولانا عبدالرشید نعمانی نے رحلت فرمائی، مولانا نہ صرف یہ کہ ایک بڑے محدث، صاحب نظر اور صاحب ذوق عالم تھے بلکہ قحط الرجال کے اس دور میں علما اسلف کی زندہ یادگار اور محدثین متقدمین کا نمونہ تھے۔

تقریباً بیس سال قبل مولانا عرصہ دراز کے بعد ہندوستان تشریف لائے تھے، شعبان کی ۲۹ تاریخ کو دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی تشریف آوری ہوئی اسی وقت سب سے پہلے مولانا کے نام نامی سے کان آشنا ہوئے۔ مولانا کی آمد پر سیدی و مرشدی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کی خوشی اور مسرت انبساط کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ بلاشبہ یہ کوئی غیر معمولی تعلق و محبت رکھنے والے عالم ہیں۔ وہ میری نوخیزی کا زمانہ تھا اور عمر صرف دس گیارہ سال کی تھی اس لئے مولانا کے مقام و مرتبہ کو میں کیا پہچانتا جب کہ مولانا کی قدر و منزلت، علو مرتبت اور ذوق و نظر بر پردہ ہی پڑا رہا اور وہ اس عالم فانی سے رخصت ہو گئے، اس میں بڑا دخل مولانا کے اخفائے حال کو بھی تھا جس میں وہ اپنے اسلاف خاص طور پر اپنے استاذ و شیخ حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحبؒ کی روش پر تھے جن کے بارے میں حضرت مولاناؒ برانے چراغ میں تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا کسی قسم کا تکلف اور ترفع پسند نہیں فرماتے تھے۔"

مولانا کا آبائی وطن جے پور ہے ۱۹۱۴ء مطابق ۱۳۳۲ھ کو غالباً اکتوبر کے مہینہ میں ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم متوسطات تک اپنے وطن ہی میں حاصل کی تکمیل کے لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء کا انتخاب کیا جہاں مولانا ہی کے ہم وطن حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحبؒ منصب اہتمام پر فائز تھے اور حدیث کی منتہی کتابوں کا درس بھی ان ہی سے متعلق تھا۔ مولانا دارالعلوم میں اپنی آمد اور حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحب سے گفتگو کا ذکر بڑے مزے لے کر فرمایا کرتے تھے مولانا ہی کا بیان ہے کہ ہم جب ندوہ تعلیم کی غرض سے آئے تو سب سے پہلے حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحب سے سابقہ پڑا، مولانا نے دریافت فرمایا کہ کہاں سے آئے ہو جب میں نے کہا کہ جے پور سے تو مولانا نے بڑے دلچسپ انداز میں فرمایا کہ تب تو تم عجائب خانہ میں رکھے جانے کے قابل ہو، یہ وہ زمانہ تھا جب پٹھان راجپوتانہ کے طلبہ خال خال ہی ادھر کا رخ کرتے تھے۔

مولانا مرحوم مسلسل چار سال دارالعلوم میں تکمیل کے لئے مقیم رہے، عربی ادب کے کئی اساتذہ سے بھی استفادہ کیا۔ مگر مولانا کی توجہ کا اصل محور مولانا حیدر حسن خاں صاحبؒ کی ذات گرامی تھی جو اس وقت دارالعلوم کے شیخ الحدیث اور امام المحدثین علامہ حسین بن محسن انصاری یمنی کے خاص تلامذہ و مستفیدین میں تھے۔

خود مولانا حیدر حسن خاں صاحب شیخ کے بارے میں فرماتے تھے ان کو فتح الباری کی مکمل نیز دو جلدیں تقریباً حفظ تھیں اور وہ اپنے وقت میں ہندوستان کے کبار محدثین کا مرجع تھے۔ مولانا نعمانی نے مولانا حیدر حسن خاں صاحبؒ سے بھرپور استفادہ کیا اور شب و روز حاضر باش رہے انھوں نے مولانا کو خلوت و جلوت، منتوبیت و راحت اور رات و دن کے مختلف حصوں میں بے تکلف دیکھا۔ مولانا کی صفات و کمالات اور پھر زاہدانہ زندگی کھلی کتاب کی طرح ان کے سامنے تھی جس کو انھوں نے اپنی زندگی میں اس طرح جذب کر لیا کہ گویا وہ مولانا کے مثنیٰ بن گئے۔ یہیں سے ان کے اندر حدیث کا وہ ذوق پیدا ہوا جس نے ان کو متقدمین محدثین کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا اور یہیں ان کو زہد کا وہ ذائقہ ملا جو اسلاف کی میراث ہے۔

مولانا کے اسی شوق و طلب کو دیکھتے ہوئے (جس میں ہم وطنی کا ایک رشتہ بھی شامل ہو گیا تھا) مولانا حیدر حسن خاں صاحبؒ نے خصوصی شفقت و توجہ فرمائی اور تعلیم کے ساتھ تربیت کا بھی پورا خیال رکھا جس نے مولانا نعمانی کے ذاتی جوہر کو جلا بخشی، اختصاص فی الحدیث اور تعمق فی العلم کے ساتھ ان کی علمی زندگی میں بھی ایک امتیازی شان پیدا ہو گئی، مولانا حیدر حسن خاں صاحبؒ خود حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے اجازت یافتہ اور صاحب سلسلہ تھے۔ ان کی جوہر شناس نگاہ نے مولانا کے اس امتیازی وصف کو بھانپ لیا اور سند فضیلت کے ساتھ ہی اجازت بیعت و ارشاد سے بھی سرفراز فرمایا۔ مولانا نے ایک مرتبہ دریافت کرنے پر فرمایا

تھا کہ مولانا حیدر حسن خاں صاحبؒ نے اخیر میں مجھ سے فرمایا کہ تم بعد میں بیعت بھی کر لیا کرنا، لیکن مولانا نے اس کی اجازت کے باوجود کبھی خود کو اس کا اہل نہیں سمجھا اور حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحبؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ رائے پوریؒ سے تجدید بیعت فرمائی اور خدمت میں حاضری دیتے رہے۔ حضرت کی رحلت کے بعد حضرت کے خلیفۂ اجل اور اپنے نامور معاصر امام العصر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم سے رجوع فرمایا جو بجائے خود مولانا کی بے نفسی، انکسار اور تواضع کی روشن دلیل ہے۔

ندوہ میں تکمیل کے بعد ایک عرصہ تک مولانا اپنے وطن ہی میں مقیم رہے اور اس دوران بھی مولانا حیدر حسن خاں صاحبؒ سے استفادہ کا سلسلہ جاری رہا، اس کے بعد ندوۃ المصنفین کے ذمہ داروں کی خواہش پر دہلی تشریف لے گئے اور اس ادارہ سے باقاعدہ وابستہ ہوئے اسی زمانہ میں امام حاکم نیساپوری کی اصول حدیث پر مشہور کتاب "المدخل" پر ایک طویل تبصرہ اردو میں تحریر فرمایا جو شاید مولانا کا باقاعدہ پہلا مضمون تھا جو ان کے ذوق تحقیق و نظر کا شاہکار ہے۔ یہ تبصرہ المدخل کے ساتھ ہی طبع ہوا ایک مرتبہ علامہ شبیر احمد عثمانی کسی تقریب سے ندوۃ المصنفین تشریف لائے، یہ تبصرہ مولانا عثمانی کی نظر سے گذر چکا تھا، جب مولانا کا تعارف کرایا گیا تو مولانا عثمانی نے مسرت کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا کہ "اچھا آپ ہی صاحب المدخل ہیں" اور داد تحقیق دی، وہیں قیام کے دوران ذمہ داروں کی خواہش پر لغات القرآن چار جلدوں میں مرتب فرمائی لیکن اس کی تکمیل نہ ہو سکی اور بعض اسباب کی بنا پر پاکستان ہجرت فرمائی بعد میں مولانا عبدالرائم جلالی صاحب نے مزید دو جلدوں میں اس کی تکمیل فرمائی اور کتاب ندوۃ المصنفین سے ہی شائع کی گئی، مولانا ندوۃ المصنفین کے رفیق بھی تھے۔ اور مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن کے رکن رکین بھی۔

مولانا ابوالوفاء افغانی سے ہم مسلک و ہم مشرب ہونے کی بنا پر بڑی مناسبت تھی پاکستان جانے کے بعد دارالعلوم اشرف آباد ٹنڈو الہ یار سے وابستہ ہو کر تدریسی خدمات انجام دیں پھر ایک عرصہ تک جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے شعبہ اسلامیات کے صدر رہے، اخیر میں مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے قائم کردہ ادارہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ مولانا ہی کی خواہش پر تشریف لے آئے، اور معذوری کے اخری چند سالوں کو مستثنیٰ کر کے کہا جا سکتا ہے کہ بقیہ زندگی وہیں درس و تدریس اور تصنیف و تحقیق میں گذار دی، مولانا کا چونکہ اصل ذوق تصنیف و تالیف کا تھا اس لئے اسفارے مناسبت کم تھی تاہم حج کے لئے متعدد مرتبہ تشریف لے گئے۔ سمرقند میں امام بخاری کی حیات و خدمات پر اسلامک سنٹر آکسفورڈ کے زیر انتظام ایک بڑے سیمینار کا انعقاد کیا گیا اور مولانا کو اس میں شرکت کی خصوصی دعوت دی گئی۔ موضوع مولانا کے مزاج و مذاق سے مناسبت رکھتا تھا مگر ضعف و علالت کے باعث اس میں بھی شرکت نہ ہو سکی اور مولانا کو معذرت کرنی پڑی۔ ترکی کے سفر کی مولانا کو بڑی تمنا تھی اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہاں قدیم اسلامی مخطوطات کا جو ذخیرہ کتب خانوں میں موجود ہے شاید وہ کسی دوسرے ملک میں نہ ہو، ان میں بڑی تعداد علمائے احناف کی تصنیفات کی ہے۔ یہ مولانا کے سفر کا بڑا محرک تھا، اللہ تعالیٰ نے مولانا کی یہ خواہش پوری فرمادی اور مولانا اپنے صاحبزادہ مولانا عبدالشہید صاحب نعمانی کے ہمراہ تشریف لے گئے اور مختصر مدت قیام فرما کر مراجعت فرمائی۔ اپنے ساتھ متعدد مخطوطات کے عکوس بھی لائے۔

سفر ہجرت کے بعد تین مرتبہ مولانا ہندوستان تشریف لائے۔ پہلی تشریف آوری کا تذکرہ مضمون کی ابتداء میں کیا گیا تھا۔ یہ سفر ۱۴۰۲ھ میں ہوا۔ اور مولانا نے پورا رمضان دائرہ شاہ علم اللہ میں گذارا اس مدت قیام میں دارالعلوم کے بعض اساتذہ اور درجات عالیہ کے طلبہ مستفید ہوتے رہے، اصول حدیث کی مشہور کتاب "علوم الحدیث" (جو علامہ ابن الصلاح کی تصنیف کردہ اور مقدمہ ابن الصلاح کے نام سے مشہور ہے) زیر درس رہی۔ حضرت مولانا دامت برکاتہم کی خواہش پر متعدد مرتبہ مسجد میں وعظ بھی فرمایا۔ مولانا کا وعظ ایسا دلنشین اور مؤثر ہوتا تھا۔ کہ "از دل خیزد بر دل ریزد" کا مصداق ہوتا۔ مولانا کے سفر کا اصل مقصد حضرت مولانا مدظلہ سے اصلاح و ارشاد کا تعلق قائم کرنا تھا۔ یہ مولانا کی سادگی، بے نفسی اور اصلاح حال کی انتہائی فکر کا نتیجہ تھا ورنہ مولانا خود صاحب نسبت اور صاحب مقام بزرگ تھے۔ حضرت مدظلہ العالی نے اس تعلق کے کچھ ہی عرصہ کے بعد اجازت بیعت مرحمت فرمائی اور پاکستان میں بیعت ہونے والے متعدد حضرات کو مولانا کے سپرد کیا، مولانا مرحوم حضرت مولانا مدظلہ العالی کے ہم اسناد بھی ہیں اور ہم مرشد بھی، لیکن اس معاصرت کے باوجود حضرت مولانا کی محبوبیت و مقبولیت اور فکری و دعوتی مساعی کا مولانا کو پورا اعتراف اور اس کی قدر تھی اور حضرت کی محبت و عقیدت دل میں موجود تھی اس کا کچھ اندازہ ان کلمات سے ہوتا ہے جو مولانا نے اپنی بعض تصنیفات حضرت کو پیش کرتے وقت تحریر فرمائے تھے۔ یہی عقیدت و محبت مولانا کو کشاں کشاں کھینچ کر رائے بریلی لائی تھی۔ حضرت والا بھی مولانا کے فضل و کمال کے معترف و قدرداں تھے۔ حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحب کے تذکرہ کے ذیل میں مولانا کے بارے میں فرماتے ہیں: "لیکن مولانا کے تلمیذ ارشد اور ان کے فن اور ذوق کے وارث ہمارے فاضل دوست

مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی جے پوری، حال شیخ الحدیث دینیات یونیورسٹی بہاولپور، ہیں، ان کے علمی کام تعارف کے محتاج نہیں ان میں لغات القرآن کی تین جلدیں اور ان کا اصل علمی و تحقیقی کام "ملامس الیراعۃ" جو ان کی دست مطالعہ اور دقت نظر کی شاہد ہے، خاص امتیاز رکھتا ہے انھوں نے کئی سال سفر و حضر میں مولانا کے ساتھ رہ کر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بھی اور ٹونک کے زمانہ قیام میں بھی کسب فیض کیا اور مولانا کی تحقیقات سے پورا فائدہ اٹھایا، مولانا کو بھی ان سے بڑا گہرا تعلق اور ان پر بڑا اعتماد تھا۔

رائے بریلی کے اس طویل قیام اور تعلق کی اس تجدید سے حضرات طرفین کے تعلق میں مزید اضافہ ہوا بعد کے مرسلہ مکاتیب اور پھر دوبارہ تشریف آوری کے وقت مجلسی گفتگو سے اندازہ ہوتا تھا کہ حضرت مولانا کی محبت و عقیدت کس درجہ مولانا کے دل میں گھر کر چکی ہے، راقم سطور خود شاہد ہے کہ بعض مرتبہ دوران درس حضرت مولانا کا تذکرہ آتا تو آنکھیں نم ہو جاتیں۔ راقم سے بارہا فرمایا کہ میری عدم موجودگی میں بھی حضرت سے دعا کے لئے کہتے رہنا۔ حضرت والا کی شدید علالت کا جب علم ہوا تو اضطراب کی کیفیت پیدا ہوئی اپنی علالت و ضعف کے باوجود مستقل خیریت دریافت فرماتے رہے اسی دوران ایک مکتوب میں تحریر فرمایا کہ سب سے بڑی نعمت جو آپ کو نصیب ہے وہ حضرت مولانا دامت برکاتہم کی خدمت عالیہ میں حاضری ہے۔

مولانا کے اس سفر کے بعد کئی سال تک پھر سفر نہ ہو سکا۔ دارالعلوم کے ذمہ داروں کی طرف سے متعدد بار دعوت دی گئی لیکن مولانا چاہنے کے باوجود اپنے ضعف کی وجہ سے سفر کا عزم نہ فرما سکے اور اسی بیت دلھل میں سات سال گذر گئے ۱۴۰۹ھ میں دارالعلوم کے شیخ الحدیث مولانا ضیاء الحسن صاحب کی اچانک وفات سے بڑا خلا پیدا ہوا اور بڑی شدت سے یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ اس موقع سے مولانا کچھ عرصہ کے لئے تشریف لے آئیں تو طلبہ کو استفادہ کا موقع ملے اور یہ خلا بھی پر ہو سکے۔ مولانا سے جب اس خواہش کا اظہار کیا گیا تو معذرت نہ فرما سکے اور تشریف آوری ہو گئی، کچھ عرصہ کے لئے باقاعدہ، بخاری شریف مولانا کے زیر درس رہی گئی یہ آخری سال کا وہ درجہ تھا جس میں شرکت کی سعادت راقم کو بھی حاصل تھی۔ اس طرح باقاعدہ مولانا سے براہ راست استفادہ کا شرف حاصل ہوا مولانا کے طرز تدریس پر کچھ لکھنے کے بجائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحب کے طرز تدریس پر حضرت مولانا نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کو نقل کر دیا جائے کہ وہ مولانا کے طریقۂ تدریس پر بھی حرف بہ حرف صادق آتا ہے اختصار اور معمولی اضافہ کے ساتھ یہاں اس کو پیش کیا جا رہا ہے۔

"مولانا کا درس علمی تھا اور طلباء اس میں صرف سامع یا مجلس وعظ کے حاضرین کی حیثیت نہیں رکھتے تھے، فن حدیث کی بنیادی کتابیں ساتھ ہوتیں اور طلباء کو حکم ہوتا فلاں جگہ سے کھولو اور پڑھو۔ بعض مرتبہ کئی کئی کتابیں ایک ساتھ کھل جاتیں اور ان پر آزادانہ بحث ہوتی طلبہ آزادی اور بے تکلفی کے ساتھ اس بحث و مذاکرہ میں حصہ لیتے، مولانا کو وہی طالب علم زیادہ عزیز و محبوب تھا جو آزادی سے بحث کرے اور مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کرے اس لئے بعض اوقات متصلب حنفی ہونے کے باوجود ان اہل حدیث طلباء پر زیادہ شفقت و التفات ہوتا جو تیاری کر کے آتے اور بات سمجھنے کی کوشش کرتے۔ تدریس حدیث کا طرز محدثانہ تھا۔ یعنی علماء کی کتابوں سے استفادہ بھی پورا تھا، خاص طور پر الامیر محمد بن اسماعیل صنعانی شیخ محمد بن ابراہیم بن الوزیر علامہ مقبلی اور علامہ شوکانی کی کتابیں مطالعہ میں رہتیں اور ان کا حوالہ دیتے، علمائے احناف میں سے بھی انھی کتابوں کا حوالہ زیادہ دیتے جن کا پایہ حدیث میں مسلم ہے مثلاً متقدمین میں امام طحاوی اور متوسطین و متاخرین میں علامہ زیلعی، ابن ہمام، کمال، قاسم بن قطلوبغا اور علامہ ابن ہمام، مولانا کے درس کی ایک برکت یہ تھی کہ فن حدیث سے مناسبت اور ان کی بنیادی کتابوں سے ذاتی واقفیت، ان کے درجات اور طبقات سے پوری آگاہی اور اسماء الرجال اور اصول حدیث کی کتابوں سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی تھی۔"

مولانا کے اس طویل قیام سے طلبہ کو بڑا علمی و دینی فائدہ پہونچا، مولانا کے درس میں بھی برکت تھی اور صحبت میں بھی تاثیر۔ اس طرح طلبہ میں حدیث کا ذوق بھی پیدا ہوا، اور اصلاح نفس کا خیال بھی، درس میں دارالعلوم کے بعض اساتذہ بھی شریک ہوتے۔ مولانا ان کا احترام ملحوظ رکھتے، مولانا میں مہینہ قیام کے بعد تشریف لے گئے لیکن اپنی یادوں کے نقوش ثبت کر گئے، متعدد اساتذہ اور طلبہ نے مراسلت کے ذریعے استفادہ جاری رکھا۔

تیسری اور آخری بار مولانا ۱۴۱۲ھ میں تشریف لائے، بھوپال میں دارالعلوم تاج المساجد کے زیر انتظام، رابطہ ادب اسلامی کا جلسہ ہونے والا تھا اور مولانا کو اس میں تشریف آوری کی دعوت دی گئی تھی کہ اس بہانہ سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں کچھ قیام ہو جائے گا۔ اور طلبہ کو استفادہ کا موقع ملے گا۔ مولانا اپنے کسی تعلق رکھنے والے کی رفاقت میں کراچی سے براہ دہلی کانپور تشریف لے آئے، وہ رفیق مولانا سے عقیدت و محبت رکھنے والے تھے

انھوں نے اصرار کر کے دو تین روز کانپور قیام کرنے پر مجبور کیا۔ اور مولانا لکھنؤ ایسے وقت پہونچے جب بھوپال روانگی میں صرف چند گھنٹے باقی تھے۔ مولانا کو سفر کے لئے تیار کیا گیا اور حضرت مولانا دامت برکاتہم کی سرپرستی میں یہ پورا قافلہ بھوپال روانہ ہوا، وہاں تین چار روز تاج المساجد میں قیام رہا، مولانا کے علمی افادات سفر بھی جاری رہے، اور قیام بھوپال کے دوران بھی یہ سلسلہ چلتا رہا، رفاقت سفر کی وجہ سے ناکارہ بھی سعادت حاصل کرتا رہا۔ افتتاحی اجلاس کے علاوہ مقالات کی بعض نشستوں میں بھی مولانا شریک ہوئے اور ذمہ داروں کی خواہش پر ایک نشست کی صدارت بھی فرمائی، بھوپال کے اجلاس سے فارغ ہو کر حضرت مولانا مدظلہ العالی، مولانا معین اللہ صاحب ندوی، کی دعوت پر اندور تشریف لے گئے۔ اور مانڈو کا تاریخی قلعہ بھی دیکھا، آٹھ دس روز کے سفر کے بعد لکھنؤ واپسی ہوئی، مولانا اس کے بعد دارالعلوم میں مقیم رہے، چونکہ قیام مختصر تھا اس لئے باقاعدہ درجہ میں درس کی نوبت نہیں آئی لیکن شرح نخبہ کا درس جاری رہا جو بڑا محققانہ اور عالمانہ ہوتا اور منتہی طلبہ اور بعض اساتذہ اس میں شریک ہوتے، سفر سے واپسی پر مولانا دوبارہ کانپور تشریف لے گئے اور وہاں تین روز قیام فرما کر دہلی ہوتے ہوئے وطن مراجعت ہوئی کانپور قیام کے دوران چند گھنٹوں کے لئے حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی کی ملاقات کے لئے ہتھورا باندہ تشریف لے گئے قاری صاحبؒ نے بڑی محبت واکرام کا معاملہ فرمایا جو چادر اوڑھے ہوئے تھے وہ باصرار مولانا کے بیٹھنے کے لئے بچھا دی، اور بڑا اہتمام کیا۔ دہلی میں مختصر قیام کے دوران مولانا خانقاہ مظہریہ مجددیہ بھی تشریف لے گئے، شاہ ابوالحسن زید فاروقی صاحب سجادہ تعلق سے ملے اور بعض مطبوعات مولانا کی خدمت میں پیش کیں مولانا کا یہ ہندوستان کا آخری سفر ثابت ہوا پھر ضعف وعلالت کی وجہ سے تشریف آوری نہ ہو سکی اور بالآخر سفر آخرت پیش آگیا۔

مولانا بسیار نویس نہیں تھے لیکن جو لکھتے پوری تحقیق وامانت کے ساتھ لکھتے تھے، زبان بھی صاف اور شستہ ہوتی، عربی اردو پر تقریباً یکساں قدرت تھی، ذوق تحقیق اور دقت نظر میں اپنے معاصرین سے فائق تھے۔ علمی نکات پر گرفت بڑی مضبوط تھی، مولانا کی تصانیف مولانا کے امتیاز کا منہ بولا ثبوت ہیں۔

(جاری)

بقیہ: اسلام میں عورت کا مقام

• آزادیٔ نسواں اور شرعی وغیر شرعی پردہ • عادات ورسومات اور ان کی اصلاح • عورتیں زندگی کیسے گزاریں • بچوں کی تعلیم وتربیت میں عورتوں کا ہاتھ • اولیاء اللہ کی مائیں اور ان کا انداز تعلیم وتربیت کتاب کے اجمالی عناوین ہیں، جن کے ضمن میں عورتوں کے حقوق وفرائض، اسلامی زندگی بلکہ انسانی زندگی میں ان کا حصہ، ان کی خدمات ان کے احسانات اور ان کے اخلاق وکردار پر قرآن وسنت، تاریخ اور عصر حاضر کے مسائل کی روشنی میں بڑی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس طرح اسلام میں عورت کا کام اور ان کا مرتبہ ومنصب زیر نظر کتاب "اسلام میں عورت کا درجہ اور اس کے حقوق وفرائض" میں نمایاں ہو کر بڑے دلنواز اور دلکش انداز میں سامنے آگیا ہے، جس کو پڑھ کر قارئین کی معلومات میں بھی اضافہ ہوگا۔ اور غلط فہمی رکھنے والے لوگوں کی غلط فہمیاں بھی دور ہوں گی اور اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کرنے میں بڑی معاون ومددگار ثابت ہوگی۔

یہ کتاب عام مسلمانوں خصوصاً مسلم خواتین اور دینی مدارس کی طالبات کے لئے چشم کشا، ایمان افروز۔ انقلاب انگیز اور بیش قیمت حسین تحفہ ہے (۳۳۶) تین سو چھبیس صفحات پر مشتمل یہ کتاب "اسلام میں عورت کا درجہ اور اس کے حقوق وفرائض" اپنے موضوع اور معنوی صفات وخصوصیات سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ ظاہری حسن (خوبصورت ودیدہ زیب ٹائٹل، حسین کاغذ، عمدہ طباعت) سے بھی مزین ہے، کتاب کی قیمت ایک سو روپے ہے اور حسب ذیل پتوں پر حاصل کی جا سکتی ہے۔

- مکتبہ ندویہ پوسٹ بکس ۹۳ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
- مکتبہ اسلام گوئن روڈ۔ امین آباد لکھنؤ
- ادارۃ الصدق نوگانوہ بہٹ ضلع سہارنپور۔

مولانا خصال الدین صاحب کا اچانک انتقال

معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ مولانا خصال الدین صاحب کا ۶ ستمبر ۱۹۹۹ء مطابق ۲۴ جمادی الاول ۱۴۲۰ھ کو حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے اچانک انتقال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

مولانا مرحوم مزاجاً نیک طبیعت اور باغ وبہار آدمی تھے۔ وہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم سے نیازمندانہ تعلق رکھتے تھے۔

مولانا کے انتقال پر معہد دارالعلوم میں ایک تعزیتی جلسہ ہوا جس میں ان کی خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی۔ مولانا علمی ذوق، مطالعہ کا شوق اور طلباء کے ساتھ ہمدردانہ رویہ رکھنے والے مشفق استاذ تھے۔ انھوں نے بحیثیت استاذ ونگراں ندوۃ العلماء میں چودہ سال گذارے۔ مولانا کی پہلی نماز جنازہ ندوۃ العلماء میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے پڑھائی۔ اس کے بعد جنازہ ان کے آبائی وطن رہتاس (بہار) لے جایا گیا۔ جہاں دوسرے دن عصر کے بعد تدفین ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی نیکیوں کو قبول فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے اور مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔

شہزاد عالم

محمد طارق ندوی

سوال وجواب

س:۔ کیا قضاء نمازوں میں دن کی تعیین ضروری ہے؟

ج:۔ اگر دن یاد نہ ہو تو اس طرح نیت کرے کہ میرے ذمہ فجر کی جتنی نمازیں ہیں ان میں سے سب سے پہلی نماز کی نیت کرتا ہوں یا سب سے آخری نماز کی نیت کرتا ہوں۔

س:۔ دعائے قنوت سہواً چھوٹ گئی تو قنوت کے لئے قیام کی طرف لوٹے یا نہیں؟

ج:۔ قیام کی طرف نہ لوٹے صرف آخر میں سجدہ سہو کرلے مگر لوٹنے کی صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی، رکوع کا اعادہ کرے سجدہ سہو کرے۔

س:۔ اگر کوئی امام کے ساتھ ایسی حالت میں شریک ہوا کہ امام سہو کے سجدوں میں سے ایک یا دونوں کر چکا تھا تو اس کا کیا حکم ہے؟

ج:۔ اگر دوسرے سجدہ میں شریک ہوا تو اس پر پہلا سجدہ نہیں ہے اور اگر دونوں کے بعد شریک ہوا تو دونوں سجدے اس سے ساقط ہیں۔

س:۔ سیرت النبیؐ کے موضوع پر جلسہ کرانا کیسا ہے؟

ج:۔ سیرت النبیؐ کے موضوع پر جلسہ کرانا موجب اجر وثواب ہے، شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، مگر آج کل رسمی مجالس میلاد جس میں لوگ جمع ہو کر شعراء کا شرعی حدود سے خارج کلام اور مصنوعی اور من گھڑت روایات کو نغمہ اور ترنم کے ساتھ پڑھتے ہیں اور مروجہ سلام وقیام جس کا سلف صالحین میں کوئی وجود نہ تھا کرتے ہیں بدعت ہے، لائق ترک ہے۔

سوال:۔ مطلق میلاد کرانا اور سننا کیسا ہے؟

ج:۔ مطلق میلاد کرانا مستحب اور نزول رحمت کا سبب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آپؐ کے لباس، نعلین شریفین آپؐ کی نشست وبرخاست، خورد ونوش، سونے، جاگنے وغیرہ کا ذکر کرنا اور سننا موجب اجر وثواب ہے اور برکت کا سبب ہے۔

س:۔ میرے یہاں چند دینی کتب انتہائی بوسیدہ ہیں ان کو کیا کیا جائے؟

ج:۔ مذکورہ کتب کو ایسی جگہ دفن کر دیا جائے جو عام راستہ نہ ہو یا کسی وزنی چیز میں باندھ کر دریا وغیرہ میں ڈال دیا جائے۔

س:۔ کیا مسلمان اپنی دکان میں پیتل کی مورتیاں فروخت کر سکتا ہے؟

ج:۔ نہیں! ایسا کرنا ناجائز ہے، آمدنی بھی جائز نہ ہوگی۔

س:۔ حج کے لئے چندہ کرنا کیسا ہے؟

ج:۔ حج کے لئے چندہ کرنا درست نہیں ہے، البتہ چند افراد یا کوئی ایک فرد خرچ کی ذمہ داری لے لے، یا رقم عنایت کر دے تو کسی طرح کی قباحت نہیں ہے۔

س:۔ کوئی عورت بغیر محرم کے حج کے لئے جائے اور مکہ مکرمہ میں محرم مل جائے تو حج کے لئے جانا جائز ہے یا نہیں؟

ج:۔ بغیر محرم کے غیر محرم کے ساتھ جانا جائز نہیں ہے، سفر میں محرم یا شوہر کا ساتھ ہونا ضروری ہے، البتہ بہر صورت حج ہو جائے گا۔

س:۔ لڑکے کی ساس کے ساتھ باپ کا نکاح درست ہے یا نہیں؟

ج:۔ ہاں درست ہے یہ رشتہ حرام نہیں، حلال ہے۔

س:۔ اپریل فول یکم اپریل کو دھوکہ دہی کرنا کیسا ہے؟

ج:۔ یہ نصاریٰ کا طریقہ ہے لازم الترک ہے، جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے۔ چاہے ہنسنے ہنسانے ہی کے لئے کیوں نہ ہو۔

س:۔ کیا نیکر (ہاف پینٹ) پہن سکتے ہیں؟

ج:۔ مرد کا ستر ناف سے گھٹنے تک ہے، گھٹنے تک بدن چھپانا لازمی ہے اس میں سے کوئی حصہ عذر شرعی کے بغیر کھلا رکھنا جائز نہیں ہے صرف نیکر پہننے والا گنہگار ہوگا کیونکہ اس میں ستر کھلا رہتا ہے۔

س:۔ زکاۃ کی رقم غریبوں کو بطور قرض دے سکتے ہیں یا نہیں؟

ج:۔ زکاۃ کی رقم زکاۃ کے مصارف میں خرچ کرنا چاہئے، کسی غریب کو قرض دے گا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

عمدہ کاغذ، رعایتی قیمت، بہترین سائز۔
حرمین
اردو کاپی
NOTE BOOK
ملنے کا پتہ:
مکتبۃ الحرمین مسجد مرکز والی ڈاکٹر لی این ورما روڈ امین آباد لکھنؤ۔
مذکورہ بالا پتے سے تعمیر حیات جاری کرا کے رسید حاصل کر سکتے ہیں۔ صبح ۹ بجے سے رات ۸ بجے تک
فون نمبر: ۲۱۷۶۵۶

ایک مطالعہ:

اسلام میں عورت کا درجہ اور اسکے حقوق و فرائض

مصنف: حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم

● محمد شاہد ندوی بارہ بنکوی

مفکر اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم کی عظیم شخصیت عالم اسلام کے لئے کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ دنیا کے تمام ملکوں خصوصاً عالم اسلام میں آپ کے علمی، دینی، تحریری تصنیفی، اصلاحی، ادبی تبلیغی اور دعوتی کاموں سے لوگوں نے بہت فائدہ اٹھایا۔ عصر حاضر میں مولانا کی تصنیفات اور دعوتی خطبات سے امت کے ہر طبقہ کو جتنا فائدہ پہونچا ہے وہ اپنے مثال آپ ہے۔

مولانا عبداللہ عباس ندوی صاحب حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم کے بارے میں کتاب کے پیش لفظ میں رقمطراز ہیں:

"مخدومی و مربی حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم ان مصلحین امت میں ہیں جن کا فیض امت کے ہر طبقہ کو پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کام امام ابن تیمیہؒ اور ابن القیم، امام غزالیؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ رحمۃ اللہ علیہم سے لیا اور خواص و عوام دونوں کو ان کی ذات سے ہدایت کی راہ پر لگایا۔ اسی طرح ہم اپنے عصر حاضر میں یہ بات نمایاں طور پر محسوس کرتے ہیں کہ حضرت مولانا دامت برکاتہم نے کم سن بچوں کے لئے عربی زبان کا نصاب تیار کیا۔ نوخیز لڑکوں کیلئے "مختارات" لکھی، جوانوں کو "پاجا سراغ زندگی" کے عنوان سے مخاطب کیا۔ اہل دانش و بینش علماء و مفکرین، فلاسفہ اور دانشور افراد کے لئے "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" لکھی اہل ایمان کو یاد دلایا کہ جب ایمان کی ہوا چلتی ہے تو زندگی کے اوپر اپنا رخ بدلتی ہے، مشائخ طریقت کی خدمت میں "تاریخ دعوت و عزیمت" پیش کر کے جہاں ان کی دعائیں حاصل کیں وہاں اسلاف کی بلند حوصلگی اعلیٰ ذہانت، خوش کردار عزم و حلم و صبر اور سخت سے سخت حالات میں دین پر قائم رہنے کا نمونہ پیش کیا۔"

حضرت مولانا نے جس طرح بچوں، نوجوانوں اور بزرگوں کو اپنی مختلف تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ خطاب کیا۔ اسی طرح صنف نازک خواتین کو بھی ان کی اصلاح اور ان کے اندر ایمانی غیرت اور اسلامی جذبہ کو ابھارا۔ اگرچہ مولانا نے اس موضوع پر ابھی تک کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی تھی۔ لیکن مولانا نے بلاواسطہ اور بالواسطہ خواتین کی اصلاح و تربیت کے لئے متعدد تقریروں مواعظ، خطبات، اور مختلف تصنیفات، جرائد و رسائل میں ایسی باتیں ارشاد فرمائیں ہیں جن میں اس صنف کے لئے ہدایت و رہنمائی اور اصلاح و تربیت کا بڑا سامان موجود ہے۔

پیش نظر کتاب عورتوں سے متعلق حضرت مولانا دامت برکاتہم کی تقریروں و تحریروں اور مختلف کتابوں اور اخبارات و رسائل میں بکھرے ہوئے مضامین کا مجموعہ ہے۔ مولوی عزیز اللہ ندوی (خادم ادارۃ الصدق۔ نوگانواں سہاسن پور) قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے بڑے سلیقے سے مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی (استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء) کی سرپرستی میں وہ شہ پارے جمع کئے جن سے ایک مستقل کتاب تیار ہوگئی اور کتاب کی طباعت میں جامعۃ المومنات الاسلامیہ لکھنؤ کے روح رواں مولانا محمد رضوان ندوی نے پورا تعاون کیا۔ اور بڑے اہتمام سے کتاب شائع کرائی۔

کتاب کے اندر اسلامی معاشرہ میں عورتوں کے حقوق، ان کی امتیازی کوششوں، علمی، عملی اصلاحی، دعوتی، تعلیمی اور تربیتی کارناموں اور سرگرمیوں کو بڑے نرالے انداز سے پیش کیا گیا ہے۔

صاحب کتاب حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم کی تعلیم و تربیت میں ان کی والدہ ماجدہ نے جو اہم کردار ادا کیا مصر اثرات سے بچایا، حرام غذا کھانے سے روکا۔ اور بچپن میں تربیت کا جو نرالا اور پاکیزہ انداز اختیار کیا وہ تمام عورتوں کے لئے باعث نصیحت بھی ہے اور چشم کشا بھی۔ اور اس سے عورتوں کو اپنے بچوں کو تربیت کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔ مرتب نے کتاب میں اس کا تذکرہ بڑے دلنشیں انداز میں کیا ہے۔

● عورت کی حیثیت عرفی کی بحالی،
● عورت مغربی نقطہ اور اہل انصاف کی نظر میں۔
● قرآن کریم نے عورتوں کو کیا مرتبہ عطا کیا ہے۔
● اسلامی تمدن اور خواتین ● مسلم خواتین کی علمی و دینی خدمات ● ازدواجی زندگی اور مرد و عورت کے باہمی تعلقات ● ازواج مطہرات اور تعداد ازدواج پر ایک نظر ● زندگی کے کرشمے اور حقیقی مسرت (باقی ص ۲۶)

مختصر

عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

جدہ اسلامی ممالک کی تنظیم کے سکریٹری برائے اطلاعات نے اپنے ایک اخباری بیان میں کہا کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف فارن میڈیا کے پروپیگنڈہ کا جواب دینے اور اسے غیر مؤثر بنانے کے لئے اسلامی ممالک کے تعاون سے اسلامی نیوز ایجنسی کے قیام کا ابتدائی مرحلہ طے کر لیا گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس وقت پرنٹ اور الکٹرانک میڈیا کا زمانہ ہے لہٰذا اسلام دشمن فارن میڈیا کی سرگرمیوں کا جواب دینے اور مسلمان ممالک کے خلاف مغربی ذرائع ابلاغ کے پروپیگنڈے کو غیر مؤثر بنانے نیز مسلمان ممالک کے درمیان میڈیا کے شعبہ میں تعاون و اشتراک کے فروغ کے لئے مسلمان ممالک کی ایک نیوز ایجنسی کے قیام کی ضرورت عرصہ سے محسوس کی جارہی تھی اب انشاء اللہ اس کے قیام سے مغربی ذرائع ابلاغ کی مسلمان ممالک کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنے کی سازشوں کا بھی ازالہ ہو سکے گا۔

● داغستان کوہ قاف کا ایک مشہور ملک ہے، براعظم ایشیا کے شمال مغرب میں بحیرہ قزوین اور بحیرۂ اسود کے درمیانی علاقے کو قفقاز یا کاکیشیا کہا جاتا ہے جو برصغیر میں کوہ قاف کے نام سے مشہور ہے وہاں متعدد مسلم جمہوریتیں ہیں، داغستان کا رقبہ پچاس ہزار مربع سو کلومیٹر ہے اس کا تین چوتھائی حصہ کوہستانی ہے وہاں غذائی اجناس اور پھل بالخصوص گندم، مکئی، آلو اور انگور بڑی مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ یہ زرخیز زرعی علاقہ ہے جہاں پانی وافر مقدار میں پایا جاتا ہے اس کے ساتھ وسیع قدرتی چراگاہیں اور معدنی دولت کے بے شمار ذخائر موجود ہیں، روس کی بیشتر غذائی ضرورتیں یہاں کی زرعی پیداوار سے پوری ہوتی ہیں اور اس کی صنعتوں کے لئے خام مال مہیا ہوتا ہے۔ پانی کی بہتات کے ساتھ گلہ بانی، قالین بانی گوشت اور مچھلی کو ڈبوں میں محفوظ کرنے کی صنعت کے لئے یہ بہت مشہور ہے، یہاں کی تمام آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے جو آٹھ رہویں اور انیسویں سال کے اواخر میں بحیرۂ قزوین کا بالائی مغربی ساحلی علاقہ صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عتبہ ابن فرقدؓ کے ہاتھوں فتح ہوا اور دوسری صدی ہجری میں ابومسلم خراسانی کی قیادت میں شمالی قفقاز اور داغستان اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے قفقاز کی مسلم ریاستوں میں داغستان، چیچنیا، انگوشیا، شمالی آسیتین، قبرانی چرکس شامل ہیں۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آزادی کی تحریکوں میں علاقے کے کرام ہمیشہ پیش پیش رہے، ۱۸ ویں صدی کے نصف اول میں داغستان کے عالم امام شامل جنھیں شیر داغستان کہا جاتا تھا روسی حملہ آوروں کے خلاف تحریک آزادی میں حصہ لیا تقریباً اسی عہد میں سید احمد شہیدؒ بریلویؒ، سید اسماعیل شہید دہلویؒ، عبدالقادر الجزائری اور مہدی سوڈانی وغیرہ نے اپنے اپنے ملکوں میں آزادی کی تحریکوں کی قیادت کی، داغستان میں جدوجہد آزادی کی ان نئی لہروں سے واضح ہوتا ہے کہ اہل قفقاز میں جذبۂ حریت اور شعور آزادی موجزن ہے۔ ایک امریکی مصنف لیتزکی نے قفقاز کی جنگ آزادی کے پس منظر میں لکھا ہے کہ وہاں کے نوجوان نہایت خوبصورت، صحت مند اور بہادر تسلیم کئے جاتے رہیں۔

قنوج کے قدیم مشہور و معزز کارخانہ سے تیار کردہ خوشبودار عمدہ و اعلیٰ عطریات "شمامۃ العنبر، عطر گلاب، روح خس، عطر موتیا، عطر حنا، عطر گل، عطر کیوڑہ اس کے علاوہ فرحت بخش، دیرپا خوشبو ہول سیل ریٹ پر ملتے ہیں۔
ایک بار آزما کر خدمت کا موقع دیں۔
فون: ۳۴۴۴۵
محمد یٰسین محمد یامین تاجران عطر
ایکسپورٹر اینڈ امپورٹر۔ قنوج۔ یوپی — آئیڈیل پرفیوم سینٹر (پرائیوٹ لمیٹڈ) قنوج